صدف ریحان گیلانی

ڈھل گئی شامِ ہجر

مکمل ناول

شدید گرمی، حبس زدہ فضا، سورج سے تو جیسے آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں۔ اس پر عین دوپہر اور پھر کھچا کھچ بھری اسکول وین کا سفر، اُف۔

چھوٹی سی وین میں لاتعداد بچے ٹھنسے ہوتے۔ سانس لینا محال، پسینہ چوٹی سے ایڑی تک ایسے بہتا کہ جیسے آبشار، آج کل یہ وقت اسے نہایت ہی بار گراں لگنے لگا تھا۔ خدا خدا کر کے سفر تمام ہوا۔ وین کا دروازہ کھلا اور دونوں نے گیٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔ گیٹ حسب سابق ان کے انتظار میں بانہیں وا کیے ہوئے تھا۔ وہ صد شکر کرتی ناک کی سیدھ میں اندر دوڑی تھی۔ جس کے پار واقعتاً" جہنم کے بعد جنت کے ٹھنڈے ٹھار ماحول کا سا آرام تھا۔ جبکہ نمرہ پیچھے چیختی رہ گئی تھی کیونکہ حسب معمول گیٹ بند کرنے کی ذمہ داری آج پھر اس کے حصے میں آگئی تھی۔ وہ غصے سے بل کھاتی، بھناتی وہیں رک گئی تھی کہ کھلا گیٹ چھوڑ کر اندر جاتی تو ماں کے ہاتھوں عزت افزائی لازمی تھی۔

اور وہ جو اپنی ہی دھن میں سورج کی چبھتی ہوئی روشنی سے مندی آنکھیں لیے نیم اندھیری ڈیوڑھی میں چلی تو اگلے ہی قدم پر چودہ طبق روشن ہو گئے۔ کوئی سخت سی چیز پیٹ میں چبھی تھی۔ تکلیف سے کراہتے ہوئے جو آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو چم چماتی ہوئی بائیک منہ چڑا رہی تھی۔

"دفع دور۔" اس نے سخت طیش میں ایک ہاتھ بائیک کی گدی پر مارا اور دوسرے سے کتابیں سنبھالتی آگے بڑھی۔ دالان کے پردے گرے ہوئے تھے اور روم کولر کی سرد ہواؤں نے اندر کی فضا کو پرسکون کر رکھا تھا۔ کتابیں اور بیگ تخت پر اچھال کر خود وہ صوفے پر گری تھی۔ ابھی پانی کے لیے نعرہ بلند کرنے ہی لگی تھی کہ نظر ٹیبل تک گئی۔ جس پر لبالب ٹھنڈے پانی سے بھرے جگ گلاس کے علاوہ مٹھائی کا ڈبا، پڑا لیٹر لیمن اپ، جدید موبائل، بائیک کی چابی تھی۔

"واؤ......" اس کا منہ دائرے کی صورت کھلا۔

"بہت بہت مبارک ہو پھوپھو۔" پانی کا گلاس لیے آتی آصفہ کو دیکھ کر وہ بولی تھی جو اپنی جگہ حیران ہوئیں۔

"خیر مبارک، پر تمہیں کس نے بتایا۔"

"تو یہ بھی بھلا بتانے والی بات ہے۔ سامنے سب نظر آ رہا ہے۔ پھوپھا جی نے تو حیران کر دیا ہے۔ ان کی ترقی ہو گئی ہے نا۔" پانی نظر انداز کیے اس نے ٹھنڈا گلاس میں انڈیلا اور غٹاغٹ چڑھا گئی۔ جبکہ آصفہ ہنس پڑیں۔ اس کا اگلا دھاوا مٹھائی کے ڈبے پر تھا۔ لیکن جو دیکھا کہ بند ہے تو ہاتھ ہٹا کر موبائل اٹھا لیا۔

"زبردست...... بہت خوب صورت ہے۔ شکر ہے پھوپھا جی نے اپنے آثار قدیمہ کے موبائل سے جان چھڑائی۔"

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔ وہ دن بھی آئے، لیکن فی الحال تو یہ سب کچھ......"

"مما دیکھ رہی ہیں آپی کو...... آج پھر پہلے دو

آئیں۔ حالانکہ گیٹ بند کرنے کی آج ان کی باری تھی۔ مجھے تو انہوں نے سچ مچ اپنی نوکرانی ہی سمجھ لیا ہے۔ آج تو میں بند کر آئی ہوں لیکن 'کل بالکل بند نہیں کروں گی' سن لیں۔" نمرہ بولتی ہوئی آرہی تھی' آصفہ کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔

"اور ڈیوڑھی میں بائیک کس کی کھڑی ہے۔ کون آیا ہے۔ اوہ۔۔۔ یہ اتنا کچھ۔۔۔ واہ مزا آگیا۔" وہ بھی اس کے برابر میں دھپ سے گری تھی۔ جو موبائل سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھی۔

"السلام علیکم۔" کہتے ہوئے پیچھے سے اچانک کسی نے موبائل جھپٹ لیا۔

"بری بات۔۔۔ بغیر اجازت کسی کی ذاتی چیزوں کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ لگتا ہے قد ہی بڑھایا ہے' عقل نہیں بڑھی۔ خیر سے کون سے ایئر میں ہو۔" مقابل کا لہجہ بے تکلفانہ اور نازیبانہ تھا۔ وہ سلگ کر کھڑی ہوئی۔ نمرہ "ہائے فرجاد بھائی" کا نعرہ لگاتی نووارد کے گلے کا ہار بن گئی۔

"ہائے اللہ کتنے مہینوں کے بعد آئے ہیں آپ۔۔۔ بڑے ہی بے مروت ہیں' ہم تو روز آپ کو یاد کرتے ہیں' پر آپ کو ہماری یاد نہیں آتی اور کیا اکیلے آئے ہیں' بڑی خالہ کہاں ہیں' وہ نہیں آئیں۔" وہ بغیر رکے شروع ہوگئی۔

"آئے ہائے۔۔۔ سانس تو لے لو۔ اس بے چارے کو بھی بیٹھنے دو۔ کیا اس کی جان کو چمٹ گئی ہو۔" آصفہ نے ڈپٹا۔ فرجاد مسکراتے ہوئے اسے لیے صوفے پر آ بیٹھا۔

"تمہارے سارے سوالوں کے جواب دوں گا۔ پہلے تم منہ میٹھا کرو۔ میرے چھوٹے سے منے کی چھوٹی سی پھوپھو۔" اس نے مٹھائی اپنی طرف کھسکائی۔ نمرہ تو چیخ ہی پڑی۔

"ہیں۔۔۔ آپ کا منا' کب' کہاں۔۔۔" وہ حیران تھی۔ آصفہ کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔ فرجاد کھسیا گیا۔

"اوہو۔۔۔ میرا مطلب ہے ارباز بھائی کا نیو بورن منا۔ بھئی وہ میرا بھی تو ہوا نا۔ اسی کی خوشی میں امی نے یہ سب کچھ بھجوایا ہے۔ لو مٹھائی کھاؤ۔" اس نے ایک ٹکڑا نمرہ کے منہ میں ٹھونس کر دوسرا اس کی طرف بڑھا دیا۔ جو اس سارے قصے میں بہت بنی کھڑی تھی۔

"ہماری کزن ہونے کے ناتے تم بھی منے کی پھوپھو ہی لگتی ہو نا' لو منہ میٹھا کرو۔" وہی بے تکلف انداز سر سے پیر تک سلگی۔

"شٹ اپ۔" مارے غصے کے کتابیں سمیٹ کر اس نے باہر کی راہ لی۔ جاتے جاتے اس نے سنا۔ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"واہ جی واہ۔۔۔ شہر آکر تو گیو پڑھی لکھی ہوگئی ہے۔ انگریزی بولتی ہے۔"

"ہونہہ۔۔۔ خود تو جیسے پیدا ہوتے ہی انگریزی بولنے لگا تھا۔ پیدائشی پینڈو' بدتمیز۔" وہ دھاڑ سے کمرے کا دروازہ بند کر چکی تھی۔ ادھر آصفہ اس کو گھرک رہی تھیں۔

"اے خبردار۔۔۔ آئندہ اسے گیو نہ کہنا۔ وہ بچپن کی باتیں تھیں۔ جب وہ چھوٹی سی اور موٹی سی ہوا کرتی تھی' تو ہم سب پیار سے اسے گیو کہتے تھے۔ اب بڑی ہوگئی ہے اور بہت پیاری بھی اور اس کا نام اسی طرح پیارا ہے۔ لاجورد عثمان ویسے اب ہم اسے پیار سے لاج کہتے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔۔۔ بہت شکریہ' معلومات میں اضافے کی آئندہ خیال رکھوں گا۔ ویسے' آپ کی یہ پیاری لاج صاحبہ اس قدر غصے میں کیوں تھیں۔ میں نے کچھ انہیں کیا کہا ہے۔" وہ سراپا سوال تھا۔ جبکہ آصفہ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ نمرہ کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

☆ ☆ ☆

چھاجوں چھاج مینہ برس رہا تھا۔ شدید گرمی کی کملائے ہرذی روح میں جیسے جان سی پڑ گئی تھی۔ سے اٹے پھول پتے ٹھنڈے پانی سے نہائے نئے ہوتے جا رہے تھے۔ درختوں کی ٹہنیوں پر

پرندے بھی پر کھول کھول کر خوب نہا رہے تھے۔ صحن میں خوب شور مچا ہوا تھا۔ نمرہ بارش میں نہانے کو بیقرار بار بار لپک رہی تھی۔ آصفہ کی جھڑکیاں۔ وہ بھی بچہ بنا ہوا تھا۔ باتیں' قہقہے' وہ بے حد انجوائے کر رہے تھے۔ نمرہ اسے بھی دو بار بلانے آئی تھی' وہ سوتی بن گئی' ہوا بند' لائٹ ندارد' اس پر کمروں میں بارش کا مخصوص حبس' اس پر اس کی اتنی گہری نیند' نمرہ بڑبڑاتی چلی گئی' جاکر آصفہ سے حال بیان کیا' وہ بگڑ کر اٹھیں۔

"پاگل ہے یہ لڑکی تو میں لے کر آتی ہوں اسے۔ کیسے اتنے حبس میں سوئی ہوئی ہے۔"

"بیٹھ جائیں اچھی خالہ۔" فرجاد کی آواز آئی' وہ انہیں روک رہا تھا۔

"سونے دیں اسے' تھک گئی ہوگی' گرمی لگے گی تو خود ہی اٹھ جائے گی' آپ خوامخواہ فکرمند ہو رہی ہیں' ویسے بھی مثل مشہور ہے آپ نے بھی سنی ہوگی کہ سوتے کو تو کوئی جگا بھی لے' جاگتے کو کون جگائے۔" وہ ہنسا تھا۔

"بدتمیز۔۔۔" وہ تلملا کر رہ گئی۔ کھڑکی کا پٹ زور سے بند کر کے بیڈ پر آبیٹھی۔ صرف اس کے منہ نہ لگنے کی وجہ سے وہ اتنی گرمی میں جل رہی تھی۔ اس کو بھی آج ہی آنا تھا یا بارش کو بھی آج ہی برسنا تھا۔ اس کا اتنا دل چاہ رہا تھا' اتنے دن بعد ہوئی بارش کو انجوائے کرنے کا۔ ایسی بارش ہو اور وہ کمرے میں بیٹھ جائے ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ تو اپنے گھر میں بھی بارش کو بڑے اہتمام سے مناتی تھی۔ کچا صحن' بے شمار پھول دار درخت' بے اندازہ پھول دار کیاریاں' ہر طرف اڑتی سوندھی مٹی اور مختلف پودوں کی خوشبو اور اس پر امی کے ہاتھ کی چائے بمعہ پکوڑے تو کبھی گلگلے اور سویاں' بارش کے بعد چھوٹے بھائیوں کے ساتھ گیلے فرش پر بھی کرکٹ' تو کبھی گلی ڈنڈا کھیلنے کا اپنا ہی مزا اور اس پر امی کی جھڑکیاں اور ابا کی ڈانٹ ڈپٹ۔ اف کیا کیا نہ یاد آگیا تھا۔

وہ اکیلی بیٹھی تنہائی کا شکار ہونے لگی اور آپا کی یاد کے ساتھ تو اور بھی بہت کچھ یاد آنے لگا تھا۔ جس نے باہر موجود شخصیت کے ساتھ اکتاہٹ اور نفرت کچھ اور بڑھا دی' جس سے اس کی بے زاریت میں اور اضافہ ہوا' کھڑکی پار سے آتی آوازیں۔۔۔ باتیں' قہقہے' سماعتوں پر بوجھ بننے لگے۔ اس حد تک کہ اس نے اکتا کر کھڑکی ہی بند کر دی۔ کمرے میں جس کچھ اور بڑھ گیا۔ کچھ دیر وہ کھولتی تلملاتی سلگتی رہی۔ پھر ٹیلی فون سیٹ کی جانب چلی آئی اور بلا سوچے سمجھے آپا کا نمبر ملا ڈالا۔ چند ثانیے بعد ادھر سے آتی ہیلو کی آواز نے اس کی رہی سہی طبیعت بھی مکدر کر ڈالی' جی تو چاہا کہ ٹھک سے ریسیور پٹخ دے' مگر پھر نقص امن کے خدشے کے باعث بمشکل خود کو اس امر سے باز رکھا اور جی کڑا کر کے اگلے پر سلامتی بھیج دی۔ جس کا جواب ادھر سے بڑے ہی جوش سے دیا گیا۔

"شکر ہے تمہاری آواز بھی سنائی دی۔ سچی بات ہے موسم کی خوب صورتی میں اضافہ ہوگیا ہے۔ ایسا فضول پڑھائی کا شوق تمہارا' کہاں جا کر بیٹھ گئی ہو' بھئی میرا تو اپنے سسرال جانے کو اب بالکل دل نہیں کرتا' ایک اکلوتی سالی آدھے گھر والی اگر وہ بھی ادھر نظر نہ آئے تو پھر بھلا میرا وہاں جانے کا فائدہ۔ دفع کرو پڑھائی کو واپس آجاؤ بس۔" نہایت لگاوٹ بھرے انداز سے کہا جا رہا تھا اور اس کا بس نہیں چلا تھا کہ یہیں سے کوئی چیز

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
فائزہ افتخار کے 4 خوبصورت ناول

آئینوں کا شہر	قیمت -/500 روپے
بھول بھلیاں تیری گلیاں	قیمت -/500 روپے
یہ گلیاں یہ چوبارے	قیمت -/300 روپے
پھلاں دے رنگ ہزار	قیمت -/250 روپے

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار کراچی۔ فون نمبر: 32735021

کھینچ مارتی۔

"اور کیا حال ہیں تمہارے۔۔۔ ٹھیک ٹھاک تو ہو نا' آج کیسے یاد آگئی ہماری۔" وہاں سے پھر مظاہرہ ہوا تھا۔

"میری آپا سے بات کروائیں۔" اس نے لٹھ ماری۔

"ارے آپا والپا کو چھوڑو' اس سے کیا بات کرنی ہے تم نے۔۔۔ مجھ سے بات کرنے کو دل نہیں کرتا تمہارا۔" بے حد پرشوق لہجے میں پوچھا جارہا تھا۔ وہ دانت کچکچا کر رہ گئی۔

"آپا کہاں ہیں' کیا سو رہی ہیں۔" ادھر سے کیے گئے سوال کو یکسر نظرانداز کیے وہ اپنی ہی بات پر تھی۔

"مجھے کیا پتا سو رہی ہے کہ رو رہی ہے۔" نہایت بے زاری سے جواب آیا تھا' وہ بھونچکا ہی تو رہ گئی۔

"کاہل' ست سدا کی بیمار عورت' میرے ہی پلے بندھنے کو رہ گئی تھی۔ میری ماں' بہنیں بے وقوف' سب جانتے بوجھتے مجھے پھنسایا۔ اللہ پوچھے گا ان عورتوں کو۔ دو دن ہوئے میکے بھجوا دیا تھا میں نے۔ مجھ سے نہیں اس کی روز' روز کی بیماریاں برداشت ہوتیں۔ خود تو وہ مکر کر بستر پر پڑ جاتی ہے۔ باقی سارے گھر کو میں منہ دیتا پھروں۔" ادھر سے جہالت کا رواں انداز جاری تھا۔ اس نے چپکے سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اسے منہ ہی منہ میں دو' چار سناڈالیں۔ اس کا دماغ تک جھنجھنا اٹھا اتنی بکواس پر' کمرہ ایک دم مانند جہنم ہو گیا۔ باہر بارش نہیں جیسے آگ برسنے لگی۔

"دو دن ہوئے میکے بھجوا دیا تھا میں نے۔" ساعتوں میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ اگلے ہی پل بے قراری سے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ کوئی پانچویں بیل پر اسے شکیلہ کی لچکیلی ہیلو سنائی دی تھی۔

"امی سے بات کروائو میری۔"

"اچھا جی اچھا۔ میں ادھر ہی فون لے جاتی ہوں۔ تاج آپا آئی ہوئی ہیں نا۔ رات بہت طبیعت خراب ہو گئی تھی ان کی۔ سویرے ہی سویرے شہر لے گئے تھے۔ ابھی کوئی پندرہ منٹ پہلے آئے ہیں سارے۔ آپ کے چوچے (چوزے) بھی بالکل ٹھیک ہیں' بڑا دھیان رکھتی ہوں میں ان کا۔ ویلے سر دا نا پانی ڈال دیتی ہوں' ایسہ لو جی گل کرو بی بی جی نال۔" اس نے پورا خبرنامہ نشر کر دیا تھا۔

"کون ہے۔" اسے ماں کی ہلکی سی آواز آئی تھی۔ تھکن سے بھرپور۔

"تاج آپا جی ہے جی اپنی۔"

"اور تم نے اسے سب کچھ بتا بھی دیا ہے' صبر نہیں ہے تمہارے اندر۔ منع بھی کیا تھا میں نے۔" اسے ڈانٹتے ہوئے انہوں نے ریسیور کان سے لگایا تھا۔

"ہاں بیٹا کیسی ہو۔"

"میں ٹھیک ہوں امی جی' آپ کیسی ہیں اور آپا کو کیا ہوا ہے' آپ انہیں شہر لے کر گئے تھے۔ سب خیریت تو ہے نا۔" نہ جانے اس کا دل کیوں پریشان ہوا تھا۔

"کیا بتاؤں بیٹا' بس سب کچھ اس کی طرف سے ہے۔ بیماری بھی' تندرستی بھی' آج میری بچی تکلیف میں ہے تو اسے صحت بھی وہی دے گا۔ تم اتنی دور بیٹھ کر پریشان نہ ہو میرے بچے' اپنی پڑھائی پر دھیان دو' کالج تو باقاعدگی سے جاتی ہو' اپنا خیال رکھو' اللہ پاک ہر شر سے بچائے۔" وہ ماں تھیں جن کی ہر سانس سے اولاد کے لیے دعا نکلتی ہے۔

"امی میں چند دنوں کے لیے گھر نہ آجاؤں۔"

"کوئی ضرورت نہیں' گھر آکر کیا کرنا ہے' تمہاری پڑھائی کا حرج ہو گا اور میں نے کہا نا کہ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ تمہاری آپا کے پاس میں ہوں' کیا مجھ سے زیادہ خیال رکھ سکتی ہو تم اس کا۔" ان کا سوال اسے اک لمحے کو چپ کرا گیا۔ واقعی یہ تو سچ تھا۔ ماں سے بڑھ کر کون سا رشتہ مخلص ہو سکتا ہے بھلا۔

"اچھا میری آپا سے بات ہی کروا دیں۔" اس نے گویا ہار مانی تھی۔

"پھر کرلیں نا' ابھی آنکھ لگی ہے اس کی۔ پریشان نہ ہونا۔ جو اللہ کی رضا ہو' وہی ہوتا ہے' بس دعا کرو وہ سب بہتر کرے' اپنا خیال رکھنا اور سب کو سلام دینا' اللہ حافظ۔" ادھر سے لائن کٹ چکی تھی۔ وہ بڑی دیر بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ باہر بارش تھم چکی تھی

لائٹ آگئی تھی' پنکھا گھر گھر چلتا کمرے میں ہلکی سی ٹھنڈک کا احساس اتار رہا تھا۔ باہر سے آوازیں آنا بند ہو چکی تھیں۔ وہ سب بھی کمرے میں جا بیٹھے ہوں گے۔ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اس نے دیوار سے ٹیک لگالی۔

☆ ☆ ☆

اور اگلے ہی دن وہ گاؤں آگئی تھی۔ ساتھ آصفہ بھی تھیں۔ جو سارے راستے مارے غصے کے جلتی کڑھتی بولتی آئی تھیں۔ گھر پہنچ کر انہوں نے صرف تاجور کے سامنے اپنا غصہ کنٹرول کیا تھا۔ وہ بھی صرف اس کی حالت کے پیش نظر کہ اس بے چاری میں تو پہلے ہی لگتا تھا خون کی ایک بوند بھی نہیں ـــ مزید اسے کیا جلاتیں۔ دوسرے کمرے میں امی کے پاس بیٹھتے ہی وہ پھر شروع ہو گئیں۔

"تاجور کی طبیعت ٹھیک ہو جائے تو کوئی ضرورت نہیں ہے اسے بھیجنے کی' رکھیں اسے ادھر ہی' ہم پر اس کی دو روٹیاں بھاری نہیں ہیں۔ اللہ کا دیا بہت ہے ہمارے پاس۔ الحمدللہ ان بھوکے ننگے لوگوں سے اچھا ہی کھاتی رہی ہیں ہماری بچیاں اور ان شاء اللہ آگے بھی خوب کھلا اور اچھا ہی کھائیں گی۔ میرا تو کل شام سے دماغ چٹخا ہوا ہے۔ اس بدبخت کی باتیں سن کر۔" آصفہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے' ساتھ امی کے کھلے منہ کی طرف نظر گئی تو نئے سرے سے وضاحت کرتے ہوئے بولیں۔

"کل شام رفعت نے اسپیشل فون کیا تھا مجھے یہ جتانے کے لیے کہ تاجور کا ابارشن ہو گیا ہے اور یہ مت سمجھیے کہ اس نے تاجور سے ہمدردی جتانے کے لیے کہا۔ بلکہ اس کے پورے خاندان کا یہ خیال ہے کہ ہماری لڑکی شروع سے ہی نہ جانے کتنی اندرونی بیماریوں میں مبتلا ہے۔ ان کی تو قسمت پھوٹ گئی ہے اپنے بھائی کی شادی کر کے۔ جس لڑکی کی گود میں دو بار امید کا پھول کھل کے مرجھا جائے کیا پتا آئندہ وہ پھر ہاں بن سکتی ہے یا نہیں۔ بقول اس کی ماں کے لڑکی کا علاج ضروری ہے اور ہم اس کا علاج کروائیں تو پھر وہ اسے لے کر جائیں گے۔ پچھلی بار تاجور کی طبیعت خراب ہوئی تو اسے فوری طور پر کسی اچھی ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے بجائے یہاں چھوڑ گئے۔ چار پیسوں پر جان دینے والے کنجوس خدا کی مار شہر کے قریب رہتے ہیں گاڑی بھی پاس ہے' جو ایسے وقتوں میں کام نہ آئے تو پھر کیا اسے پھونکنا ہے۔ وہیں سے اسے شہر لے جاتے تو اتنا نقصان نہ ہوتا۔

ایک تو ہم نے فرحان کا رفعت سے رشتہ کر کے غلطی کی۔ دوسری اس سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے اس کے نالائق بھائی سے اپنی نازوں پلی بیٹی بیاہ دی۔ اس وقت بھی کتنا سمجھایا تھا بھابی کو کہ وہاں رشتہ نہ کریں۔ لڑکا بس دیکھنے میں ہی قابل لگتا ہے۔ ورنہ پچھن اس کے خاص نہیں۔ عقیل کو تو وہ اتنا ناپسند ہے کہ پوچھیں مت۔ وہ تو آخر تک کہتے رہے کہ خاندان سے باہر کہیں رشتہ کر دیں تو بہتر ہے۔ لیکن بھابی نے ایک نہ مانی اور دیکھ لی اپنی کرکے۔ لڑکی برباد کرلی۔ کیا ہاتھ آیا' ساری عمر کی پریشانی' ستیاناس کر کے رکھ دیا۔" آصفہ کے جو منہ میں آیا بولتی چلی گئیں اور وہ پریشان حال ماں جو تین راتوں سے بیٹی کو تڑپتے دیکھ رہی تھیں۔ پہلے ہی بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھیں' انہوں نے جو پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا تو آصفہ اور لاجوردے سے انہیں سنبھالنا محال ہو گیا۔

"بھابھی۔۔۔ خدا کے لیے بس کریں' میرا مطلب ہرگز آپ کا دل دکھانا نہیں تھا۔ میں کیا بتاؤں' مجھے رفعت کی فضول گوئی سے کتنی تکلیف ہوئی ہے۔ اب یہی دیکھ لیں' کل سے تاجور اس حالت میں پڑی ہے اور کوئی ان میں سے پوچھنے آیا' چلو اوروں کو تو گولی ماردیں' لیکن وہ جس سے اس کی ساری زندگی کا ناتا جڑا ہے اس تک نے یہاں جھانک کر نہیں دیکھا۔ ظلم کی انتہا ہے کہ نہیں۔ میرا تو تاجور کو دیکھ کر کلیجہ پھٹا پڑتا ہے۔ ایسی صحت مند اور خوب صورت بچی تھی ہماری۔ ظالموں نے اس کا لہو تک نچوڑ لیا ہے۔ کتنی اذیت سے گزری ہے وہ اور کیا گزر رہی ہو گی اس کے

دل پر۔ بس آپ سے کہہ رہی ہوں اس بار ہرگز اسے نہیں جانے دینا۔ کم از کم اس وقت تک جب تک کہ ان ناقدروں کو اس کی قدر محسوس نہ ہو۔"

"ہونہہ۔ اس گھر میں پہلے کبھی میری مرضی چلی ہے جو اب چلے گی۔ کیسی باتیں کرتی ہو' یہ سب کیا دھرا تمہارے بھائی کا ہے اور بھگتنا ہمیں پڑ رہا ہے۔ پتا نہیں کیا قصور ہوا ہے جس کی سزا میری معصوم بچی کو مل رہی ہے۔" لاجوردو ڈکر پانی لے آئی تھی۔ دو تین' گھونٹ پی کر ان کا دل ذرا ٹھہرا تھا۔

"قصور تو کوئی کیا جانے' بس بات وہیں آجاتی ہے کہ جو اللہ کی مرضی۔ اب آپ کو یہ کرنا ہے کہ تاجور کی صحت بن جائے تو میرے پاس آجائیں۔ میری ایک بڑی اچھی لیڈی ڈاکٹر سے سلام دعا ہے۔ میں ان سے مشورہ کروں گی۔ خدانخواستہ تاجور کو کوئی مسئلہ بھی ہوا تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ آپ گھبرائیے گا مت۔ حوصلہ کریں۔" آصفہ ان کے ہاتھ سہلانے لگیں۔

"ہاں بس اب تو حوصلہ ہی کرنا ہے۔" ان کے آنسو پھر بھل بھل بہنے لگے۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے سوئیں نہیں ابھی تک۔" وہ چارپائی پر چت لیٹی آسمان کے آنچل پر ٹنکے مدھم ستارے بغور دیکھ رہی تھی کہ امی کی آواز نے اس کا انہماک توڑا۔ وہ نماز عشاء ادا کر کے ابھی اپنی چارپائی پر آکر بیٹھی تھیں۔ ان سے اگلی چارپائی تاجور کی تھی جو بے خبر سو رہی تھی۔ اس سے آگے تینوں چھوٹے بھائیوں اور ابا کی چارپائیاں بچھی تھیں۔ وہ بھی کب کے خراٹے لے رہے تھے۔ بڑا سا صحن کسی سرائے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ امی نے پہلے تاجور کی طرف پھونک ماری' پھر اس پر' اس کے بعد چہار جانب پھونک کر اپنا تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گئیں' جبکہ ماں کے اس عمل پر اس کے لبوں پر طمانیت بھری مسکان پھیلی تھی۔ کتنا بے غرض' بے لوث رشتہ ہے ماں۔ جس کی چھاؤں میں تمام تفکرات سمٹ جاتے ہیں۔

"تم نے اپنا سامان تو سمیت لیا ہے نا۔ میں نے کر دیا تھا تمہارے ابا سے۔ صبح سویرے تمہیں چھوڑ آئیں گے۔ بس اب واپس جاؤ' بہت حرج ہوگیا تمہاری پڑھائی کا۔ اچھی بھی بار بار فون کر کے پوچھ رہی ہے۔ اللہ بھلا کرے اس کا۔ اس نے ہمارا ایک بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا۔ یہاں سے تو روز اتنا سفر کر کے بسوں کے دھکے کھا کر کالج آنا جانا بہت پریشان کرتا تھا مجھے' شکر ہے اب سکون ہے میرے دل کو اور تم بھی دل لگا کر پڑھائی پر توجہ دو۔ شرمندہ نہ کروانا ہمیں۔ پتا ہے نا اپنے خاندان کا' کس قدر باتیں کرتے ہیں سارے اور تمہارے ابا کو بھی کیسی مشکلوں سے راضی کیا تھا' نہیں تو وہ اسی پر اڑے ہوئے تھے۔ بس بارہ جماعتیں ہی کافی ہیں اب گھر بٹھاؤ۔"

"افوہ۔ امی خاندان کی پروا نہ کیا کریں۔ یہ تو وہ قوم ہے جو سوتے میں بھی باتیں کرتی ہے' ان کو تو غم لگ گیا ہے آپ کی بیٹی ان کی بیٹیوں سے زیادہ پڑھ لکھ جائے گی۔ آپ کوئی بھی وہم مت پالیں' خوش رہا کریں۔" اس نے ماں کا ہاتھ دبایا۔

"اچھا سنو' ہوسکتا ہے کہ کچھ دنوں تک میں اور تاجور چکر لگائیں۔ اسے ڈاکٹر کو بھی دکھالوں گی اور روحیل کی شادی کے لیے تھوڑی سی خریداری بھی کرلوں گی۔ آج آئی تھیں تمہاری تائی تو کہہ رہی تھیں اگلے مہینے کی آخری تاریخوں میں رکھنی ہے اس کی شادی۔" انہوں نے بتایا اور یہ بات تو اس کے علم میں بھی تھی۔ ثمن آج شام یہی قصے اسے سناتی رہی تھی۔

یوں ہی اچانک اس کے ذہن میں ایک بات آئی تھی' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ویسے امی کتنا اچھا ہوتا اگر ہم اشفاق چاچا کی بات مان لیتے اور آپا کا رشتہ روحیل بھائی سے کر دیتے۔ سجاد بھائی سے تو کہیں درجے بہتر ہیں روحیل بھائی۔ شکل میں بھی اور عقل میں بھی۔ سجاد بھائی تو اتنے بدتمیز ہیں کہ انہیں بات کرنے کی تمیز نہیں۔ مجھے تو سخت زہر

لگنے لگے ہیں۔ دفع کریں ایسے شوہر سے تو وہ۔"

"چپ کرو۔" وہ اپنے ہی دھیان میں بولتی جارہی تھی کہ امی کی دھاڑ نے وہیں منہ بند کروادیا۔

"آپ تم بھی مشورہ دو گی مجھے۔ بس تمہاری ہی کسر رہ گئی تھی۔ پہلے ہی میری بیٹی پر ٹھکرائی ہوئی کا ٹھپا لگا ہوا ہے' اس پر اب میں اسے گھر بٹھا کر ٹھوکروں میں آئی ہوئی کرلوں۔

انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر تاجور کو دیکھا۔ ملگجی سی روشنی میں جس کا چہرہ کچھ اور زرد محسوس ہو رہا تھا اور ان کی بات پر بے اختیار ہی وہ بول گئی تھی۔

"بڑی پھوپھو کے ہاں دوسرا پوتا پیدا ہوا ہے۔"

ارباز کا نام لینے سے دانستہ گریز کیا تھا۔ امی اک اور آہ بھر کر رہ گئیں۔

"لائٹ آف کرو اور سو جاؤ۔ صبح جلدی اٹھنا ہے۔" اس خبر پر کسی بھی طرح کے تبصرے سے اجتناب کرتے ہوئے انہوں نے کروٹ بدل لی۔ چند ثانیے تو وہ گم سم بیٹھی رہی' پھر بلب بجھا کر اپنے بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند گئی۔

"واہ میرے مولا۔ تیری قدرت بھی نرالی ہے۔ تو بے نیاز اور بے پروا ہے۔ کہیں خوشی تو کہیں غم' کسی کا دامن اتنا بھر دیتا ہے کہ وہ سنبھال نہیں پاتا اور کسی کو اتنا تہی داماں کر دیتا ہے کہ وہ اپنی کم نصیبی پر جتنا بھی بین کرے کم ہو۔ تیری یہ مصلحتیں تو ہی جانے۔ میرے حصے میں تو نے خسارے ہی خسارے رکھ دیے ہیں۔ یا رب ایسا کیا گناہ ہوا مجھ سے۔ جس کی پکڑ میں میری زندگی کا ہر لمحہ آگیا ہے۔ میرے اللہ مجھ پر میری برداشت سے زیادہ بوجھ نہ ڈال۔ میں تیری عاجز کمزور بندی' میری خطائیں معاف کردے۔ کرم کردے۔" امی کے ساتھ والی چارپائی پر لیٹی تاجور کی کھلی آنکھوں سے آنسو اک تسلسل سے بہہ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

شام ڈھلتے ہی سبزو سرخ قمقمے پوری حویلی میں جل اٹھے تھے۔ بڑے سے دالان میں فرشی دریوں پر دھرنا دیے میراثنوں اور خاندان بھر کی شوخ و شنگ لڑکیوں نے خوب دھما چوکڑی مچا رکھی تھی۔

آج روحیل کی مہندی کی پروقار تقریب تھی' سارا خاندان مدعو تھا۔ ورک خاندان میں شادی خانہ آبادی

مشہور و مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

کتاب کا نام		قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
نگری نگری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اُردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-
اندھا کنواں	ایڈگر ایلن پو / ابن انشاء	200/-
لاکھوں کا شہر	او ہنری / ابن انشاء	120/-
باتیں انشاء جی کی	طنز و مزاح	400/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

کا یہ پر مسرت موقع بڑی دیر بعد آیا تھا۔ اس سے پہلے یہ موقع غالباً" دس سال پہلے آیا تھا۔ فرخ چچا کی شادی کا۔ لیکن نہیں یہ موقع تو کچھ عرصہ پہلے بھی آیا تھا۔ تاجور کی شادی کا اور اس سے بھی پہلے ارباز کی شادی کا۔ مگر یہ دونوں شادیاں یوں ہوئیں ـــــ کہ کسی کا منہ کدھر تھا تو کسی کا کہیں۔ سارا خاندان تتر بتر ہو گیا تھا۔ کیونکہ بات ہی وہ ہوئی تھی کہ جس کا گمان بھی نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

کبیر احمد ورک آج کی پود کے دادا جان اس حویلی کے مالک ہوا کرتے تھے۔ جن کے نو بچوں میں سے دو تو عالم طفل ہی میں اس جہان فانی کو خیرباد کہہ گئے تھے۔ بقایا سات الحمد للہ بقید حیات تھے اور آگے وہ سب بھی ماشاء اللہ کثیر العیال تھے۔ کسی کے بھی پانچ، چھ بچوں سے تو کم نہیں تھے۔ حتیٰ کہ سب سے چھوٹے چچا فرخ نے تو حد ہی کر دی۔ دس سالوں میں چھ بچے۔ اب تو سب ہی کو یقین تھا کہ اس جوڑے نے اپنی ذاتی کرکٹ ٹیم بنا کر ہی چھوڑنی ہے۔

کبیر احمد ورک، اپنی سب سے بڑی بیٹی رقیہ کے بیٹے اور بیٹے عثمان کی بیٹی تاجور کا رشتہ ان کے بچپن اور اپنی زندگی میں ہی طے کر گئے تھے۔ رقیہ بھی اسی گاؤں میں بیاہی گئی تھیں۔ اسی لیے تاجور اور ارباز کا بچپن ایک ساتھ بیتا تھا۔ ویسے تو ان کا سسرال کچھ فاصلے پر تھا۔ لیکن ارباز سارا، سارا دن ننھیال ہی میں پایا جاتا۔ ایک ہی آنگن میں کھیلنا، ایک ہی درخت پر جھولنا۔ یہ نسبت ارباز اور تاجور کے سنگ پروان چڑھی تھی۔ وہ بچپن کی انسیت اس وقت تک محبت میں بدل چکی تھی۔ جب ارباز نے پچھلے گاؤں کے ہائی اسکول سے سیکنڈ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا۔ مزید پڑھائی کے لیے وہ لاہور جا رہا تھا۔

تاجور نے رو، رو کر آنکھیں سجا لیں۔ لیکن ارباز اسے بہلاتا، ہزاروں تسلیوں، امیدوں خوش رنگ خوابوں کے بے شمار پھول اس کے دامن میں ڈالتا پردیسی ہو گیا اور پھر۔ وہی ہوا جو اکثر ہوتا آیا ہے۔

آگے سے آگے نئے جہاں نظر آئیں تو پچھلی دنیا کی حیثیت ماند پڑ جاتی ہے۔ نئی سے نئی منزلیں ملیں تو پرانی بھولتی جاتی ہیں۔ ارباز پر بھی جادو چل گیا۔ تاجور کے سادہ و نمکین حسن سے نظریں چراتا وہ جاذبہ وقار کے طرح دار دلکش و دلربا روپ میں ایسا الجھا کہ ہر وعدہ، ہر آس توڑ گیا۔

اور تب ورک خاندان میں بڑا طوفان آیا تھا۔ سب نے حتی المقدور ارباز کو اس امر سے باز رکھنے کی سعی کی۔ مگر سب لاحاصل، وہ تو بالکل ہی بے گانہ ہو چکا تھا، نہ اسے رشتوں کا پاس رہا، نہ محبتوں کا مان۔ سب جذبوں پر جیسے دھول پڑ گئی۔ ایسا دھوکہ، اس قدر بے ایمانی، اتنا بھاری دکھ، تاجور تو اس صدمے سے پتھر ہو گئی۔

تب بڑی طرح دلبرداشتہ ہو کر ابا نے، بہن اور بہنوئی سے ہر قسم کا تعلق توڑ لیا اور ان کا ساتھ دیتے ہوئے سارے بہن، بھائیوں نے اس فیملی کا بائیکاٹ کر دیا۔ تاجور بکھر بکھر گئی۔ ارباز نے من پسند شادی کر لی۔ کچھ دنوں بعد وہ والدین اور بہن، بھائیوں کو بھی شہر لے گیا۔ تین، چار سال ملنا ملانا بالکل بند رہا۔ کوئی سال بھر پہلے اشفاق چاچا کے ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر رقیہ پھوپھو نہ رہ سکیں۔ بچوں اور دلاور پھوپھا سمیت گاؤں آئیں، تو یہاں بھی سب کے دلوں سے گلے شکوے جاتے رہے۔ تب تک تاجور بھی اپنے گھر کی ہو چکی تھی۔ ابا، بہن سے نہیں ملے۔ وہ اپنی بات پر قائم رہے۔ بے شک ان کی بیٹی بیاہی گئی تھی۔ مگر کیا وہ اپنے گھر میں خوش تھی۔ ارباز کا نام تو آج بھی جونک بن کے اس کی زندگی سے چمٹا ہوا تھا۔ اس کا ایف اے فیل شوہر دن رات طعنے دے دے کر اسے بھولنے دیتا ہی نہیں تھا۔ خود تو وہ خوشیوں کے ہنڈولے میں جھول رہا تھا اور تاجور بے چاری، قسمت نے اچھا دغا دیا تھا اسے۔

☆ ☆ ☆

بڑے عرصے بعد خاندان میں ہونے والی اس شادی

پر وہ بھی خوش ہوئی تھی اور بھرپور طریقے سے شرکت کا ارادہ تھا۔ پھر سجاد خود اسے چھوڑ گیا تھا۔ پہلے بیٹے کی شادی تھی، الماس چاچی نے سب کو ایک ایک جوڑا بنوا کر دیا تھا۔ امی نے الگ کپڑے بنوائے تھے اور بڑے دنوں بعد اس کا بھی دل چاہا تھا سنورنے کو۔ وہ بہت شوق سے تیاریاں کر رہی تھی کہ سجاد کی فون کال آ گئی۔ جانے اس نے کیا کہا کہ ہنستی مسکراتی تاجور کے چہرے کی ساری شادابی یک لخت ہوا ہو گئی۔ ہوں، ہوں، جی، اچھا، اچھا کر کے اس نے فون بند کر دیا۔

"کیا کہہ رہے تھے سجاد بھائی۔" بغور اسے تکتی لاجور پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"تم تیار بھی ہو گئیں۔ ماشاء اللہ اچھی لگ رہی ہو، نظر اتار کر جانا۔" براؤن سوٹ پر کٹ دانہ اور موتیوں سے بھرے کام، نفاست سے کیا گیا میک اپ، جیولری کے نام پر کانوں میں نازک سے ٹاپس، لمبے بالوں کو کھلا چھوڑے وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ تاجور نے اس کا سوال نظر انداز کر دیا۔

"شکریہ اب آپ بھی جلدی سے تیار ہو جائیں تو پھر نظر اتار کر چلتے ہیں اور کیا کہہ رہے تھے سجاد صاحب۔" وہ آرام سے صوفے پر ٹک گئی۔

"کچھ بھی نہیں اور تم جاؤ، میں تھوڑا ٹھہر کر آؤں گی۔" تاجور نے اسے ٹالنا چاہا۔

"ارے واہ۔ ایسے ہی ٹھہر کر آئیں گی، کپڑے آپ چینج کر چکی ہیں، جلدی سے میک اپ کریں، لائیں بال میں بنا دیتی ہوں۔" وہ آگے بڑھی۔

"رہنے دو میں خود ہی کر لوں گی، میں نے کہا نا آجاتی ہوں تم جاؤ۔" وہ بے زار ہو رہی تھی۔ لاجور نے چڑ کر امی کو آواز دے دی۔

"کیا بات ہے، تم دونوں تیار نہیں ہوئیں ابھی تک، وہاں سے کتنی دفعہ بلاوا آ چکا ہے۔ حد ہو گئی گھر کی فرد ہو کر مہمانوں کی طرح دیر کر رہی ہو۔" امی نے بھی آتے ہی ڈانٹا۔

"میں تو تیار ہوں، آپ کی یہ لاڈو ہی دیر کر رہی ہیں۔ ابھی بھی فرما رہی ہیں تم جاؤ میں ٹھہر کر آؤں گی۔" لاجور کا بھی موڈ خراب ہو گیا۔

"کیا بات ہے تاج۔" امی نے پوچھا۔ وہ کچھ افسردہ سی کلائی میں پڑی چوڑیاں گھما رہی تھی۔

"یہ کچھ نہیں بولیں گی۔ میں ابھی فون کرتی ہوں۔ جلاد صاحب کو اور پوچھتی ہوں کہ انہوں نے اب کیا شوشا چھوڑا ہے۔" اسے یقین تھا سجاد نے ہی ایسا کچھ کہا ہے۔

"خبردار تم فون نہیں کرو گی۔ ہاں سجاد نے مجھے وہاں جانے سے منع کیا ہے۔ لہٰذا میں اب نہیں جا رہی۔ امی آپ اور لاجور چلی جائیں۔ میرا کوئی پوچھے تو کہہ دیجیے گا کہ وہ بیمار ہے۔" وہ اذیت کی انتہا پر تھی۔ امی چپ کی چپ رہ گئیں۔ اس کا غصہ دوچند ہوا تھا۔

"کیوں۔۔۔ خیر سے اب کیا ہوا ہے۔ آپ کے شوہر نامدار کو۔ خود آپ کو شادی میں شرکت کے لیے چھوڑ کر گئے ہیں۔ اب کیا تکلیف ہوئی ہے۔ کیوں منع کیا ہے۔ امی آپ پوچھیں نا، میں ملاتی ہوں فون۔" اس نے ریسیور اٹھایا۔ امی نے تاجور کو دیکھا، جس کی دراز پلکوں پر نمی اتری تھی۔

"تم چلو۔۔۔ میں خود بات کرتی ہوں سجاد سے اور اسے لے کر آ رہی ہوں۔" امی نے ریسیور پکڑ لیا۔ وہ تن فن کرتی کمرے سے نکل گئی۔ اسے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ امی فون کریں گی یا کریں گی تو سجاد جیسا خردماغ ان کی بات سمجھ جائے گا۔

"پتا نہیں کیا سمجھتا ہے خود کو بے وقوف آدمی۔" بڑبڑاتی ہوئی وہ ادھر پہنچی تھی۔

"واہ جی۔۔۔ کب سے بلا رہی ہوں اور میڈم ہیں کہ اب آ رہی ہیں۔" اسے دیکھتے ہی ثمن نے طنز کا تیر پھینکا تھا۔ پر وہ خاموش رہی۔

"بتاؤ تو منہ کیوں پھولا ہوا ہے۔"

اس کے اصرار پر وہ کچھ نہ چھپا سکی۔

ثمن کو بھی دکھ ہوا۔ اس نے بھی غائبانہ سجاد کے بخیے ادھیڑے، اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ ہاں اس کا موڈ بحال کرنے کو آس پاس بکھری رونقوں کی طرف متوجہ کرنے لگی۔ پر اس کا دل اتنا برا ہو رہا تھا کہ

اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"اچھی پھوپھو نظر نہیں آرہیں۔" اسے دھیان آیا۔

"بیٹھک میں ہوں گی۔" زور، زور سے تالیاں پیٹتی ثمن پوری طرح محفل میں گم تھی۔ وہ فوراً" اٹھ کر ادھر چل دی اور مطلوبہ کمرے تک آکر وہ سخت پچھتائی، کیونکہ آصفہ کے ساتھ وہاں جو ہستیاں موجود تھیں ان میں سے ایک سے تو وہ تصویر کی حد تک واقف تھی۔ آج پہلی بار روبرو دیکھ رہی تھی۔ اسکائے کلر کی بھاری کامدانی کی ساڑھی میں خوب صورت زیورات اور گہرا میک اپ کیے اس کی گوری رنگت خوب دمک رہی تھی۔ لیکن لگتا تھا سارے زمانے کی بے زاری اس کے حسین چہرے پر سمٹی ہوئی ہے اور دوسری خاتون کو وہ کم و بیش پانچ سال بعد دیکھ رہی تھی۔ بے حد قیمتی اور نفیس سوٹ ان کے پروقار سراپے پر بہت جچ رہا تھا۔ گول کلائیوں میں پھنسے کنگن اور پرل کا نازک گلوبند ان کی شخصیت کو اور نکھار رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ جھجک کر دروازے میں ہی رک گئی، تو اسے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں جوت جل اٹھی تھی۔ ناچار اسے اندر آنا پڑا۔ وہ یک ٹک پرشوق نگاہوں سے تکے جارہی تھیں۔

"اپنی لاجورد ہے آپا۔" آصفہ نے انہیں بتایا۔

"اے لو، تم کیا سمجھیں میں اسے پہچانی نہیں۔ اپنی بیٹی کو اپنے خون کو۔ ماشاءاللہ کتنی بڑی، کتنی پیاری ہوگئی ہے۔ میری تو آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں یقین کرو۔" گود میں لیے گپلو سے منے کو اس بے زار چہرے والی کے حوالے کرتے ہوئے وہ اٹھیں اور اسے گلے لگا کر چٹاچٹ پیار کر ڈالا۔

"مجھے تو جب سے فرجاد نے بتایا تھا کہ تم اچھی کے پاس ہو، میرا تو تب سے دل بڑا بے تاب تھا۔ پر میرا آنا ہی نہ ہوا، تم بتاؤ ٹھیک ہو نا۔ تاجور کیسی ہے؟ وہ بھی ٹھیک ہے۔ ادھر ہی ہے نا۔ کتنی گرمجوشی تھی ان کے انداز میں، ان کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں، وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔

"آؤ، ادھر آؤ، بیٹھو میرے پاس اور اپنی بھابھی سے ملو ارباز کی دلہن ہے اور جاذبہ بیٹا یہ لاجورد ہے میرے بھائی عثمان کی بیٹی۔" انہوں نے رسم تعارف نبھائی۔ اس بے زار چہرے والی نے بس اک ناقدانہ نظر اس پر ڈالی اور مسلسل روتے اپنے چھکو کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"افوہ آنٹی، کتنا اچھا ہوتا آپ خود ہی اپنی رشتہ داریاں نبھالیتیں۔ مجھے خوامخواہ ساتھ گھسیٹ لائی ہیں۔ آپ دیکھیں یہ بالکل چپ نہیں ہو رہا، تنگ ہوگئی ہوں میں تو، یہ تو اچھا ہوا کہ منذر کو مما نے اپنے پاس رکھ لیا، ورنہ جانے کیا حشر ہوتا میرا اور وہ لڑکی کہاں رہ گئی ہے، جلدی سے فیڈر منگوائیں اس کا۔" نک سک سے درست وہ حسین مورت بڑے ہی بے تکے پن سے بچے کو جھلاتی انتہائی روکھے لہجے میں گویا تھی۔

"تم پریشان نہ ہو۔ لاؤ مجھے دو، اچھی تم ذرا اس کے فیڈر کا پتا کرنا۔" رقیہ پھوپھو نے لپک کر بچے کو پکڑ لیا تھا اور وہ بظاہر مہذب نظر آتی۔ ہونہہ کرکے سر جھٹک گئی۔ جس پر جو خجالت پھوپھو کے چہرے پر آئی اس سے لاجورد کو اک پرسکون سا احساس اپنے دل پر اترتا محسوس ہوا۔ روح پر چھائی کثافت جیسے ایک دم ہی چھٹ گئی۔ اگر قسمت نے ان کا واسطہ سجاد جیسے انسان سے ڈالا تھا تو لگتا تھا کمی یہاں بھی نہیں رکھی۔

"اتنی خوب صورت تو نہیں جتنی بن رہی ہے اس سے زیادہ خوب صورت تو میری آپا ہیں۔" ایک فطری سا جلاپا اس کے اندر اٹھا تھا، جس پر وہ اسے ایک اور خطاب دے گئی۔

"ناشکری عورت۔" ایک انمول نعمت گود میں تھی اور وہ کتنی بے زار۔ بے ساختہ اس کا دل ہمک گیا۔ اس نے بچے کو پھوپھو کی گود سے لے لیا۔

گورا چٹا، نیلی آنکھیں گول مٹول سا اتنا پیارا چہرہ۔ اس نے بے اختیار اپنے لب اس کے پھولے گال پر رکھ دیے۔ بھوک کے علاوہ اس کی آنکھوں میں نیند بھی بھری تھی۔ اسے کندھے سے لگا کر ہولے ہولے تھپکنے لگی۔

"ارے یہ فتنہ تو کسی کے پاس بہلتا نہیں۔ اب دیکھو کیسے چپ کر گیا ہے۔" پھوپھو خوش ہوگئیں۔

اسی اثناء میں فرجاد کھلے دروازے سے اندر آیا۔

"بھابھی۔۔۔ ارباز بھائی کی کال ہے۔ آپ کا موبائل بند ہے شاید۔"

"میرا موبائل کبھی بند نہیں ہوا۔ میں خود بہت دیر سے ٹرائی کر رہی ہوں۔ لیکن اس جگہ سگنل پرابلمز ہیں۔" بڑی نخوت سے جواب دے کر اس نے سیل کان سے لگا لیا تھا۔ فرجاد نے اسے دیکھا تو اوہ کی صورت ہونٹ کھل گئے۔ لاجورد نے احتیاط سے سوئے ہوئے بچے کو بیڈ پر لٹایا اور کمرے سے نکل آئی، وہ پیچھے ہی آیا تھا۔

"میری فیملی سے میل ملاقاتیں، بے تکلفیاں، ایک مجھے دیکھ کر ہی منہ بنتا ہے تمہارا۔ آج بتا ہی دو مجھ سے کیا پرخاش ہے تمہیں؟" وہ راستہ روکے سراپا سوال تھا۔ اس کے ماتھے کی رگیں تن گئیں۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔"

"بدتمیزی تو کوئی نہیں، بس اک آسان سا سوال پوچھا ہے۔" اس نے سینے پر بازو لپیٹ لیے۔ گویا فرصت سے جواب لینا تھا اور اس کی جان پر بن آئی۔ ان دونوں کو کسی نے آمنے سامنے دیکھ لیا تو اک نیا تماشا کھڑا ہوسکتا تھا۔ وہ سائیڈ سے ہو کر نکلنے لگی۔ فرجاد کا بازو راہ میں حائل ہوا۔

"ویسے ایک بات کہوں۔ بہت اچھی لگ رہی ہو۔" گہری نگاہوں سے اسے سر تا پا دیکھتے وہ بولا تھا۔ پھر پلٹ کر اندر چلا گیا اور اک پل کو اس کی دھڑکنیں زیر و زبر ہوگئیں۔ اسے اپنے رخسار گرم ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ سر جھٹک گئی۔

"زمانے بھر کا چھچھورا۔" چہرہ تھپتھپاتے ہوئے وہ اسے خطاب عطا کر گئی۔

☼ ☼ ☼

فائنل ایگزام میں کچھ ہی عرصہ رہ گیا تھا۔ اسی لیے سیکنڈ ٹائم اس نے اکیڈمی جوائن کرلی۔ روٹین ورک بہت ٹف ہوگیا تھا۔ سویرے کالج، شام اکیڈمی، مسز اکرام بہت سلجھی ہوئی خاتون تھیں۔ پڑھانے کا طریقہ بھی اچھا تھا۔ ان سے ڈسکشن کرکے وہ ریلیکس فیل کرتی تھی۔ کل اس کا باٹنی کا ٹیسٹ تھا اور تیاری مکمل۔ سو وہ بڑے فریش موڈ میں باتیں کرتی زرین کے ساتھ اکیڈمی سے نکلی تھی۔ زرین، آصفہ کے گھر سے ایک گلی پیچھے رہتی تھی۔ اس کے ہونے سے لاجورد کو آنے جانے کا بھی مسئلہ نہیں رہا تھا۔ وہ دونوں اپنے ہی دھیان میں تھیں کہ قریب ہی بائیک کے ٹائر چرچرائے تھے۔ دونوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ چونک گئی۔ گرے جینز پر ریڈ ٹی شرٹ پہنے۔ ماتھے پر سن گلاسز لگائے فرجاد تھا۔

"ہیلو۔۔۔ کیسی ہو۔۔۔ آؤ بیٹھو، میں بھی گھر ہی جارہا ہوں۔" اس کے دیکھنے پر اس نے یوں آفر کی جیسے وہ روز اس کے ساتھ ہی گھر جاتی ہو۔ جبکہ لاجورد کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔ چند ثانیے وہ ہونق سی اسے دیکھتی رہی۔

"ہوا زہی۔" زرین نے اس کا بازو ہلایا تو وہ ہوش میں آئی۔ فرجاد بھی منتظر تھا۔

"پتا نہیں کون ہے، میں نہیں جانتی، آؤ چلیں۔" نہایت بے دردی سے اس کے تعلق کی نفی کرتی وہ زرین کا بازو پکڑے چل پڑی۔ فرجاد کے لب بھینچ گئے تھے۔ وہ اسے پہچاننے سے ہی انکار کر گئی تھی۔ اتنی ہتک۔

"جھوٹ مت بولو۔ وہ اتنی بے تکلفی سے تمہیں بلا رہا تھا۔" زرین کو یقین نہیں آیا۔

"ہونہہ۔۔۔ چھوڑو۔۔۔ بعض لوگوں کو شوق ہوتا ہے راہ چلتے رشتہ داریاں بنانے کا۔"

"پاگل تو نہیں لگتا، ویسے ہے بہت ہینڈسم۔" زرین نے مڑ کر دیکھا۔ لب دانتوں میں دبائے ماتھے پر کئی بل، وہ وہیں فریز ہوگیا تھا۔

"پھر دیکھتی رہو، میں جارہی ہوں۔" اس کے قدموں میں تیزی آگئی تھی۔ زرین کو بھاگ کر اس کا

ساتھ دینا پڑا۔

وہ ہوائی کی رفتار سے گھر پہنچی تھی۔ گیٹ آصفہ نے کھولا اور اس کا چہرہ دیکھ کر ابھی وہ کچھ پوچھنے ہی والی تھیں کہ فرجاد کی بائیک آن رکی۔ رنگ اس کا بھی کم لال نہیں تھا۔ وہ تیر کی سی رفتار سے اندر گئی تھی۔ وہ بھی بائیک سے اتر آیا۔ آصفہ اسے لیے لاؤنج میں آئیں تو وہ پانی کی بوتل لیے کچن سے نکلی۔

"پتا نہیں، بعض لوگوں کو کیوں شوق ہوتا ہے اپنی اہمیت بڑھوانے کا۔" فرجاد اسے سنانے کو ہی بہت کلس کر بولا تھا اور اس نے سن لیا تھا۔ کتابیں اور بوتل صوفے پر پھینک کر اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"اور پتا نہیں بعض لوگوں کیوں شوق ہوتا ہے دوسروں کو ستانے کا۔ تمہیں کیا حق پہنچتا تھا کہ تم وہاں تک آئے۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی۔"

"میں کزن ہوں تمہارا کوئی غیر نہیں۔" اس نے یاد دلایا۔

"تو یہ میرے یا تمہارے ماتھے پر نہیں لکھا۔ تم نے بہت چیپ حرکت کی ہے، کیا سوچتی ہو گی وہ لڑکی میرے بارے میں۔" دکھ سے اس کا گلا بیٹھ رہا تھا۔

"تو کیوں انکار کیا، مجھے پہچاننے سے... بتا دیتیں اسے کہ میں کون ہوں۔" اسے بھی غصہ آ رہا تھا۔

"کیوں بتاتی میں اسے۔ کیا تم روز مجھے لینے آؤ گے۔"

"بسرو چشم... تم حکم کرو، میں روز بخوشی یہ ڈیوٹی انجام دوں گا۔" وہ چہکا اور اسے احساس ہوا کہ غلط کہہ گئی ہے۔ اگر وہ روز آنے لگا۔ وہ آصفہ کی طرف گھومی۔

"پھوپھو... پھوپھو... سمجھالیں اسے... میرے ساتھ پنگا نہ لے، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔"

"تم سے اچھا بھی کوئی نہیں ہے۔" وہ غصہ بھلائے شرارت پر آمادہ تھا۔

"مائے فٹ۔" اس نے ٹیبل کو ٹھوکر ماری اور کمرے میں جا گھسی۔ فرجاد نے اس کی لائی بوتل اٹھا کر منہ سے لگالی۔

"یہ سب کیا ہے فرجاد۔ کیا، کیا ہے تم نے، کیوں لڑ رہے ہو تم دونوں۔" آصفہ حیران پریشان سی مکالمہ سن رہی تھیں۔ کچھ پلے نہیں پڑا تھا۔ فرجاد نے تمام ماجرا ان کے گوش گزار کیا۔ جس پر وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہیں، پھر پوچھا۔

"کیا سوچ کر تم اسے لینے گئے تھے۔"

"کچھ بھی نہیں۔ میں تو ادھر سے آ رہا تھا کہ میں نے لاج کو دیکھا تو رک گیا۔"

"تمہیں ایک فیصد بھی امید تھی کہ وہ تمہاری آفر قبول کرلے گی۔" ان کے اگلے سوال نے اسے لاجواب کر دیا۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

"نہیں نا، تو تمہیں ایسی حرکت کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔ لاجی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے، تمہیں اسے راستے میں روکنا نہیں چاہیے تھا۔ تم نے اسے ہرٹ کیا ہے اور بہتر ہو گا کہ اس سے سوری کرلو۔"

"ارے واہ... اب میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا کہ میں معافی مانگوں۔" وہ اس تصور سے ہی بدکا۔ آصفہ کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ انہیں لاجورد کی فکر تھی اور جب اس کا موڈ بحال کر کے آئیں تو وہ جا چکا تھا۔

"لو... بغیر بتائے چلا بھی گیا۔ عجیب ہے یہ لڑکا بھی۔ غلطی بھی خود کی، اوپر سے نخرے بھی، افوہ، اس نے تو پانی بھی نہیں پیا تھا۔" آصفہ خود سے ہی سوال جواب کرتی گیٹ بند کرنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

اور وہ تیسرا دن تھا جب اسے ایک کارڈ اور بکے موصول ہوا تھا۔ نمرہ اس کے پاس لے کر آئی تھی۔

"یہ کیا ہے۔" اس نے کتاب سے سر اٹھایا۔

"یہ کارڈ ہے، خوب صورت سا اور یہ پھول، کتنی پیاری خوشبو ہے ان کی۔" نمرہ نے ناک کے پاس لے جا کر لمبا سانس کھینچا۔

"وہ تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے، پر آیا کہاں سے۔" اس نے کارڈ کھولا بڑا سا سوری لکھا تھا۔ نیچے بڑے مشکل سے سائن تھے۔

"کون لے کر آیا ہے۔"

"کوریئر سروس سے ابھی ممانے وصول کیا ہے، آپ کے نام تھا، کس نے بھیجا ہے۔" نمرہ اشتیاق سے پوچھتی پاس ہی بیٹھ گئی۔

"پتا نہیں۔" اس نے کارڈ ہوا میں اچھال دیا۔ جو اندر آتی آصفہ کے قدموں میں جا گرا۔ وہ چائے لیے آ رہی تھیں۔ جھک کر کارڈ اٹھایا۔

"نمرہ بیٹا آپ کی ٹیوٹر آ گئی ہیں۔ آپ جا کر پڑھو اور ان کے لیے کچن سے چائے بھی لیتی جانا۔" انہوں نے نمرہ کو بھیجا، پھر اسے دیکھا۔

"بہت ہی بری بات ہے لاج، اگر کوئی اپنی غلطی پر نادم ہو جائے اور مہذبانہ طریقے سے سوری بھی کرے تو کیا پھر بھی ایسے کرتے ہیں۔ اتنے حسین پھول دیکھ کر بھی تمہارا غصہ نہیں اترا۔ چلو اٹھو، یہ پھول پکڑو اور انہیں گلدان میں سجا دو۔ خلوص سے بھیجے ہوئے تحفوں کی ناقدری نہیں کرتے۔"

"اور میرے خیال میں ایک اور فضول حرکت کی ہے موصوف نے۔ تحفے وہاں بھیجے جاتے ہیں جہاں کوئی تعلق، کوئی قرابت داری ہو۔ مجھے کوئی انتظار نہیں تھا کہ وہ مجھ سے سوری کرے۔" وہ ابھی بھی اینٹھی ہوئی تھی۔

"تمہیں پتا نہیں تھا میں نے اس سے کہا تھا اور دیکھ لو وہ کتنا سمجھ دار اور فرماں بردار بچہ ہے۔ اس نے میری بات مان لی۔ ایک تم ہو ابھی تک دل میں غصہ دبائے بیٹھی ہو۔ وہ کوئی غیر نہیں۔ کزن ہے تمہارا۔ بچپن ایک ساتھ گزرا ہے تم دونوں کا۔ تعلق تو ہے تم لوگوں کے درمیان۔ ہاں قسمت کی ستم ظریفی نے دور کر دیا ہے تو کیا ان دوریوں کو ایسے ہی رہنے دیا جائے۔ فاصلوں کو بڑھایا نہیں کرتے۔ اچھے لوگ وہی ہوتے ہیں جو انہیں گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تمہیں کیا پتا رقیہ آپا کتنی پریشان ہیں، کتنی دکھی ہیں وہ۔ ہماری ماجور خوش نہیں تو ارباز کی بیوی کا رویہ بھی دیکھ لیا۔ آپا بے چاری کے تو ناک میں دم کیا ہوا ہے اس نے۔ بچے سنبھالنے والی آیا سے زیادہ حیثیت نہیں ان کی۔ ارباز کو بھی خوب ہی قابو کیا ہوا ہے۔ وہ بے چارا دم نہیں مار سکتا اس کے آگے۔ اتنے حسن کو کیا چاٹنا ہے۔ جب گن ہی اچھے نہ ہوں۔ سچ پوچھو تو وہ خود بھی اب پچھتاتا ہے۔ اس کے کیے کی سزا وہ سارا کنبہ بھگت رہا ہے۔ آپا پر تو دوہری قیامت ہے۔ ایک تو بہو بے کار ملی، دوسرے بھائی سے تعلق ختم ہو گیا۔ ان کا تو بس نہیں چلتا کہ کون سی گھڑی ہو اور بھائی سے معافی ملے۔

فرجاد کو بھی ماں کے دکھ کا پورا احساس ہے۔ اس نے تو بھائی کا انجام دیکھ کر آپا سے کہہ دیا ہے کہ وہ ان کی مرضی سے شادی کرے گا۔ جہاں ان کی خوشی ہو گی، جہاں وہ چاہیں گی اور آپا نے بھی اس کے لیے لڑکی دیکھ لی ہے۔ پتا ہے کون ہے ان کی چاہت، ان کی خوشی۔" آصفہ رکیں، اس کا بے تاثر چہرہ دیکھا۔

"تم... تم ہو ان کی چاہت۔"

"نہیں... کیا۔" وہ جو بے توجہی سے سن رہی تھی اچھل ہی تو پڑی۔ وہ مزید کہہ رہی تھیں۔

"ہاں... آپا کی بڑی خواہش ہے۔ بھائی کے دل کا دکھ مٹانے کے لیے انہیں اک یہی صورت نظر آئی ہے اور سچی بات ہے مجھے بھی ان کا خیال اچھا لگا ہے۔ اس طرح دو بچھڑے بہن، بھائی مل جائیں گے۔ بکھرا خاندان یکجا ہو جائے گا۔ اور یہ سہرا کس کے سر ہو گا سوچو تو ذرا؟ کتنی بڑی نیکی ہو گی یہ، کتنا بڑا اعزاز، فرجاد کو بھی تم جانتی ہو، باتیں وہ بہت کرتا ہے، ذرا بڑبولا ہے، پر دل کا برا نہیں۔ اس میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتی ہیں۔ وہ خوب صورت ہے، پڑھا لکھا ہے، پھر اپنا بزنس بھی شروع کر رہا ہے۔ اللہ نے چاہا تو بڑی ترقی کرے گا۔ بہت ہی محنتی اور لائق بچہ ہے۔ بس خدا کرے بھابھی کی سمجھ میں ہماری بات آ جائے تو پھر بہت ہی اچھا ہو ہے نا۔" انہوں نے اس سے رائے چاہی، وہ بالکل ہی چپ ہو چکی تھی۔ کئی سوچیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

"کیا ہوا ہے، کہاں گم ہو، دیکھو اگر تم نے کوئی اعتراض اٹھانا ہے نا تو سن لو کم از کم تمہارا کوئی اعتراض قابل قبول نہیں ہو گا، کیونکہ بڑے جو سوچتے ہیں اچھا

ہی سوچتے ہیں۔ میری تو اب ایک ہی دعا ہے۔ اللہ تم دونوں کا نصیب ایک کردے۔ میرے بہن بھائی مل بیٹھیں۔ ورک خاندان کی خوشیاں پھر سے لوٹ آئیں۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ ابا جی کبھی راضی ہوں گے۔ آپ اس خیال کو رہنے ہی دیں تو اچھا ہے۔ پلیز پھوپھو کوئی بھی ایسی بات مت چھیڑیے گا، کہیں کوئی ہنگامہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔" وہ بولی تو لہجے میں کئی خدشے سر سرا رہے تھے۔ اسے پہلا خیال یہی آیا تھا۔

"میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا۔ بھلا کیوں راضی نہ ہوں گے بھائی۔ ہم بھی انہیں منالیں گے۔" آصفہ بڑی ریلیکس سی تھیں اور اس کے تو دل کا سکون اڑنچھو ہو گیا تھا۔ آصفہ کی کہی ساری باتیں کمرے میں چکرا رہی تھیں۔

کھلی کتاب پر کوئی لفظ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اکتا کر اس نے کتاب بند کردی۔ آنکھیں موندلیں، تو چھم سے ایک شبیہ پلکوں پر اتر آئی۔ گھبرا کر آنکھیں کھولیں، ٹیبل پر پڑے پھول اس کی بے بسی پر مسکرا رہے تھے۔ اس نے چڑ کر پھول اٹھائے ارادہ تو گیا دیوار پر مارنے کا، مگر پھول بہت خوب صورت تھے یا ان کی خوشبو دلفریب تھی۔۔۔ یا پھر۔۔۔ جانے کیا ہوا۔ ہاتھ اٹھ ہی نہ سکے۔ مسکراتے ہوئے پھول اس کی جھولی میں آن گرے تھے۔

☆ ☆ ☆

"آئے ہائے۔ لڑکے تم نے تو میرا گھر ہی دیکھ لیا ہے، کہاں تو سالوں نہیں بھٹکے، اب ہر دوسرے دن منہ اٹھائے چلے آتے ہو۔ آخر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ۔" آصفہ نے مصنوعی واویلا کیا وہ بھی بلا کا ڈھیٹ دانت نکوستے ہوئے کہنے لگا۔

"کوئی مسئلہ نہیں اچھی خالہ۔ اگر آپ کو میرے روز چلے آنے پر اعتراض ہے تو میں یہیں ڈیرہ جمالیتا ہوں، پھر تو ناراض نہیں ہوں گی۔ آخر اور لوگوں کو بھی رکھا ہوا ہے آپ نے۔" وہ در پردہ اس پر چوٹ کر گیا جو خلاف توقع اپنی جگہ پر موجود تھی۔ ورنہ تو اسے دیکھتے ہی وہ منظر سے غائب ہونے میں دیر نہیں لگاتی تھی۔

"اور لوگ بامقصد رہ رہے ہیں۔" آصفہ اشارہ سمجھ گئیں۔

"تو میں کون سا بے مقصد رہوں گا، میرا مقصد تو ان لوگوں کے مقصد سے بھی زیادہ بلند ہے، بلکہ عظیم ہے۔"

"اف۔۔۔ بہت بولتے ہو تم۔"

"یہ بتاؤ کیا پیو گے۔" آصفہ نے اٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

"جو مرضی پلا دیں۔ بس زہر نہ ہو، کیونکہ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ ابھی تو بہت سے خواب شرمندہ تعبیر کرنے ہیں ——" آصفہ زچ ہو کر میدان چھوڑ گئیں۔ اس نے ریموٹ اٹھا کر چینل گھما دیا۔ نمرہ چیختی ہوئی اس کے سر ہو گئی تو لاجورد کو بھی اٹھنے کا بہانہ مل گیا۔ لاجورد نے کافی بنائی تھی سب کو سرو کر کے اپنا کپ لیے وہ چھت پر چلی آئی۔

کل جو کچھ آصفہ نے کہا۔ اگر ایسا ہوا تو" اس کا ذہن مسلسل بھٹک رہا تھا۔

"نہیں یہ ناممکنات میں سے ہے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ آصفہ پھوپھو تو بس، لیکن اگر پھر بھی۔" اس کے اندر کئی آوازیں گڈمڈ تھیں۔

"افوہ۔۔۔" وہ جھنجلا گئی۔ کل سے ناچاہتے ہوئے بھی سوچ سوچ کر اعصاب تھک گئے تھے۔ تب ہی کوئی اس کے نزدیک کھنکھارا تھا۔ وہ گھبرا ہی گئی۔ کپ میں سے کافی چھلک گئی۔ کرسی پر سمٹے پاؤں جھٹ نیچے کیے۔ دل سکڑ کر پھیلا تھا۔ پیچھے فرجاد تھا، جس کے لبوں پر اس کے ڈرنے سے محفوظ مسکراہٹ آئی تھی۔ لیکن جس پر اس نے فوراً ہی سنجیدگی کا پردہ ڈال دیا اور بازو سینے پر لپیٹے ہوئے دیوار سے ٹیک لگائی۔ کئی ثانیے خاموشی کی نذر ہوئے۔ وہ اٹھنے کو پر تولنے لگی۔ فرجاد نے ہی پہل کی۔

"تم نے میرے سوری کا جواب نہیں دیا۔" لاجورد کی سماعت میں اس کی آواز اتری۔ وہ سر جھکائے نیم اندھیرے میں کپ کے ڈیزائن کو گھور رہی تھی۔

"بتاؤ۔۔۔ اب اور کس طرح معافی مانگوں۔ کیا الٹا لٹک جاؤں۔" اب کے آواز میں جھلاہٹ کا عنصر نمایاں تھا۔

"سوری کا کیا جواب ہوتا ہے بھلا۔" جانے وہ بتا رہی تھی یا پوچھ رہی تھی۔ فرجاد ماتھے پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔

"ارے بھئی سوری کا جواب ہوتا ہے، بس اک ذرا سی مسکراہٹ اور جو تمہارے پاس ہے نہیں، ہر وقت پنجے تیز کیے رکھتی ہو۔ بچپن کی عادت نہ گئی تمہاری۔ ہائے ماں جی کہاں پھنسانا چاہتی ہیں مجھے۔" وہ کراہا تھا۔ بے ساختہ وہ بولی۔

"کسی گمان میں مت رہنا، جو پھوپھو چاہتی ہیں ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ ابا جی قطعاً" راضی نہیں ہوں گے۔"

"تم بھی کسی گمان میں مت رہنا، یہ میری ماں کی خواہش ہے اور اس کے لیے مجھے سر دھڑ کی بازی بھی لگانا پڑی نا تو گریز نہیں کروں گا۔"

"کیا مطلب۔۔۔ دھمکی دے رہے ہو مجھے۔" اسے تو غصہ ہی آگیا۔ جبکہ فرجاد کو ہنسی۔

"دھمکی نہیں دے رہا۔ ڈیئر کزن بتا رہا ہوں۔ ماما جی کی طرف سے مت گھبراؤ، انہیں منالیں گے۔ اس وقت تو میں صرف تمہاری رضا چاہتا ہوں۔ اگر تم راضی ہو گی تو میں اس سلسلے کو آگے بڑھاؤں گا اور وائز تم پر کوئی زبردستی نہیں۔ امی کو میں سنبھالوں گا۔ میں دس تک گنتا ہوں۔ اچھا لگتا ہوں تب بھی بتا دو۔ برا لگتا ہوں تب بھی۔ میں ہرگز برا نہیں مانوں گا۔ چلو پھر شروع کرتے ہیں ایک، دو۔" وہ گن رہا تھا اور وہ حیران اسے دیکھ رہی تھی۔

عجیب دھولس بھرا انداز تھا۔ بھلا ایسے بھی کبھی کسی نے کیا ہو گا۔ اس کا دماغ تو ہر سوچ سے خالی ہو چکا تھا اور وہ ایک ہی سانس میں گنتی پوری کیے اس کے جواب کا منتظر تھا۔ جواب سر اٹھائے ستاروں کے جھرمٹ میں چمکتے چاند کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے چند لمحے اس کے بولنے کا انتظار کیا۔ پھر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا اور لاجورد کے سر سے تو جیسے کوئی بلا ٹلی تھی۔ اک گہرا سانس لیتی وہ کرسی پر گر سی گئی اور ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ پھر آگیا۔ ہاتھوں میں ڈھیروں ڈھیر رنگ برنگے پھول لیے۔

"سیانے کہتے ہیں لڑکی کی خاموشی اس کی رضامندی ہوتی ہے۔ تھینک یو۔ تم نے مجھے خوش کیا۔" فرجاد نے سارے پھول اس پر اچھال دیے اور وہ جو اس کی بات پر بھنائی تھی، پھولوں کا حشر دیکھ کر تو پاگل ہی ہوا تھی۔ وہ اس کے کئی مہینوں کی محنت ایک لمحے میں اجاڑ لایا تھا۔

"اف۔۔۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ ہائے میرے پھول۔" وہ اسے مارنے کو لپکی تھی۔ پھر جھجک کر رک گئی اور اس کی حالت پر فرجاد کا قہقہہ بڑا جان دار تھا۔

☆ ☆ ☆

امی کا فون آیا تھا۔ وہ اسے گاؤں بلا رہی تھیں۔

"میرے تو منتھلی ٹیسٹ شروع ہیں کل سے۔ خیریت کیا بات ہے۔" سال سے اوپر ہو گیا تھا اسے یہاں آئے اور کبھی گھر سے اس طرح بلاوا نہیں آیا تھا۔

"نہیں کوئی بات نہیں ہے۔ اچھا تمہارے ٹیسٹ کب ختم ہوں گے۔"

"ہفتہ ڈیڑھ تو لگ ہی جائے گا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ اچھی سے بات کرواؤ ذرا۔" امی نے کہا تو اس نے ریسیور آصفہ کی طرف بڑھا دیا۔ سلام دعا کے بعد وہ سنتی رہیں اور جب فون بند کیا تو چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی تھی۔ اسے فکر لاحق ہوئی۔

"کیا ہوا، کیا کہہ رہی تھیں امی۔"

"پریشانی کی تو کوئی بات نہیں۔ بات تو خوشی کی ہے۔ روحیل کے سسرالی رشتہ داروں میں سے تمہارے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔ بھابھی وہی تفصیل بتا رہی تھیں مجھے۔" آصفہ نے کہا اور وہ دھک سے رہ

گئی۔ ان کا چہرہ دیکھا۔ شاید مذاق کر رہی تھیں۔ لیکن وہاں ایسے کوئی آثار نہ تھے۔

"تو... تو... پھر۔" بولی تو خود ہکلا گئی۔

"تو پھر کیا۔ کچھ بھی نہیں۔ بھابھی اس سلسلے میں گاؤں بلا رہی ہیں ـــــ ان لوگوں نے آنا ہے۔"

"اور... اور... وہ جو بڑی پھوپھو، آپ کہہ رہی تھیں۔" وہ اٹک اٹک گئی۔ سمجھ نہ آیا کس طرح انہیں یاد دلائے اور وہ مسکرا اٹھیں۔

"ہاں... میں انہیں ابھی فون کرتی ہوں۔ وہ تو تمہارے امتحانوں کے انتظار میں تھیں کہ تم اطمینان سے امتحان دے لو تو پھر وہ کوئی ذکر کریں۔ مگر اب لگتا ہے۔ زیادہ دیر مناسب نہیں۔ ہمیں جلد ہی گاؤں جانا پڑے گا۔ تم تسلی رکھو۔ جو بھی ہے باہر کے لوگوں سے زیادہ حق ہمارا ہی ہے۔ ڈونٹ وری۔" آصفہ نے اس کا گال تھپکا اور وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

کیا پریشانی اس کے چہرے سے مترشح تھی۔ وہ تو اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہ رہی تھی، تو پھر اب... اچانک... یہ کیا ہوا تھا۔ اس کا دل یک لخت تیزی سے دھڑکنے لگا۔ پتا نہیں آگے کیا ہو گا۔ وہ حقیقتاً "متفکر ہو چکی تھی۔

اور پھر آگے کے تمام مراحل بڑی تیزی سے طے ہوتے چلے گئے تھے۔ آصفہ و عقیل کی بھرپور وکالت، چچاؤں کی پرزور حمایت۔ رقیہ پھوپھو کے آنسو، معافیاں، سب مل کر ابا کو سارے گلے شکوے بھلا کر پھر سے پرانی رفاقت جوڑنے پر مجبور کر گئے تھے اور شاید وہ خود بھی تھک گئے تھے۔

تاجور کا حال دیکھ کر اس کے لیے کوئی نیا تجربہ کرنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ اس لیے اپنی انا کا پرچم جلد ہی سرنگوں کر گئے۔ ابھی تک تو جو بھی مذاکرات ہوئے تھے وہ ان، بہن، بھائیوں کے درمیان ہی ہوئے تھے۔ بات خاندان میں نہ پھیلی تھی۔ لیکن اب سب کی متفقہ رائے تھی کہ اس خوشی کو باقاعدہ منایا جائے۔ چھ سال بعد روٹھے، بہن، بھائی ملے تھے۔ کوئی چھوٹی بات نہ تھی۔ اس لیے آنے والے جمعہ کے مبارک دن دلاور پھوپھا و پھوپھو باضابطہ طور پر رشتہ لے کر آ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

ورکوں کی حویلی میں آج پھر بہار آئی تھی۔ پھلوں کے ٹوکرے، بے شمار مٹھائی، پھول، آنے والے بڑے تزک و احتشام سے آئے تھے۔ سارا خاندان ہی جمع تھا۔ ہال کمرے میں خوب رونق تھی۔ امی کے چہرے پر بھی آج بہت دنوں بعد اطمینان دکھائی دے رہا تھا۔ ابا جی کے جھکے شانے تن سے گئے تھے۔ ہشاش بشاش سے وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد امی سے تمام انتظامات کی رپورٹ لے رہے تھے۔ صحن کے عقبی حصے میں مٹی کے چولہوں میں لکڑیوں کی دہکتی آگ پر کھانے پک رہے تھے۔ حالانکہ گاؤں کی بہترین نائن بلوائی گئی تھی۔ لیکن امی کو تسلی کہاں۔ وہ خود اس کے سر پر کھڑی ہدایات دے رہی تھیں۔ ابھی الائچی والی دودھ پتی بنوا کر اندر بھجوائی تھی۔ ساتھ کئی قسم کے بسکٹ تھے۔

"اوہو... بھابھی اگر آپ نے ہی کھانا پکانا تھا تو پھر اماں جان کو بلوانے کی کیا ضرورت تھی۔ ارے بھئی ان کو کرنے دیں نا، شکیلہ بھی ان کے پاس ہے، ہیلپ کروا رہی ہے ان کی۔ آپ الگ ہلکان ہو رہی ہیں۔ چلیں آئیں آپ کو آپا بلا رہی ہیں۔" آصفہ انہیں ڈھونڈتی ہوئی آئی تھیں۔

اور انہیں لیے کمرے میں آ گئیں۔ ابا انہیں دیکھتے ہی خوشدلی سے بولے۔

"یہاں سارے مہمان تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں اور تم پتا نہیں کہاں وی آئی پی بنی گھوم رہی ہو۔" امی تو ان کی بات پر محض مسکرا کر رہ گئیں۔ جبکہ رقیہ پھوپھو فوراً "بولی تھیں۔

"ہاں تو میری بھابھی ماشاءاللہ ہے ہی وی آئی پی اور آج تو خصوصاً" کیونکہ ان کے پاس عرضدار جو آئے بیٹھے ہیں۔ ان کی قیمتی متاع مانگنے۔ انہیں حق ہے جتنا چاہیں انتظار کروائیں اور اب آپ دونوں موجود ہیں تو پھر بتائیں کیا جواب ہے ہماری عرضی کا۔"

"آپا میرا سب کچھ ہی آپ کا ہے۔ آپ میری ساری دولت بھی مانگیں تو انکار نہ کروں۔ لاج اب میری نہیں آپ کی ہی بیٹی ہے۔ بس ایک بوڑھے باپ کی اتنی سی درخواست ہے کہ اسے اپنی اولاد ہی سمجھنا، اس سے کبھی کوئی غلطی بھی ہو جائے تو ماں بن کر اصلاح اور درگزر سے کام لینا۔" ابا کا لہجہ بھر آیا، کتنے ہی دکھ آواز میں لرزنے لگے تھے۔"

"خوش رہو عثمان۔ تم نے میرا مان رکھا۔ میں بھی تمہیں مایوس نہیں کروں گی۔ لاجورد میری بیٹی ہے۔ ان شاءاللہ، پھولوں کی طرح رکھوں گی۔" پھوپھو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ بھائی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں دلاسا دیا۔ مبارک مبارک کا شور مچ گیا۔ آصفہ نے جگمگاتے کاغذ اور رنگین پھولوں میں لپٹی مٹھائی کی ٹوکری سامنے لا رکھی اور کھولنے کا اشارہ کیا۔

"ٹھہریں جی، جس کی وجہ سے یہ مٹھائی کھولنے لگے ہیں کیا اس سے بھی پوچھا ہے۔" بڑی دیر سے منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے سجاد نے نہایت مدبرانہ انداز سے لب کشا کیے تھے اور اس کا یہ فصیحانہ سوال سب کو ہی بے محل لگا تھا۔ ساری بات ہو گئی تھی۔ مٹھائی کھلنے لگی تھی۔ عین اس وقت یہ شوشا... آصفہ نے اسے دیکھا۔

"ہم سب کی خوشی جس میں ہے وہی لاج کی خوشی ہے۔ پوچھنے کی کیا ضرورت۔ ویسے بھی ماں، باپ جو فیصلہ کرتے ہیں اولاد کی بہتری کے لیے ہی کرتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے بعض فیصلوں میں بہتری نہ ہوتی ہو۔ ماں، باپ کوئی غیبی علم تو نہیں جانتے۔ پڑھے لکھے ہوتے ہوئے جاہلوں والی بات کی ہے، لڑکی سے ہی نہیں پوچھا گیا میں تو کہتا ہوں اس سے سب کے سامنے پوچھا جائے، پھر کوئی حتمی فیصلہ کیا جائے۔" اس نے اک نئی بحث لگائی تھی۔

"نہ پتر نہ۔ یہ کوئی رواج نہیں، بیچ مجمع میں بیٹیوں سے اس طرح کی رائے لینا۔ غیب کا علم ماں، باپ نہیں جانتے تو بیٹیاں بھی اپنا نصیب چکھ کر نہیں دیکھ سکتیں۔" ابا کو بھی برا لگا تھا اس کا مشورہ۔ سبھاؤ سے جواب دیا۔

"پر چاچا — آپ بھی سیانے بیانے ہو۔ لڑکی کی رائے لینے کو شرع بھی کہتی ہے۔" باقی تمام معاملات زندگی میں احکام شرع سے نابلد اس وقت معلومات شرع دے رہا تھا۔ لطیفہ ہی تھا آصفہ دانت کچکچا کر رہ گئیں۔ وہ کچھ بول بھی دیتیں، جو رقیہ پھوپھو پھوپھا ہاتھ دبا کر چپ نہ کرواتیں۔ اس خوب صورت موقع پر کسی طرح کی بدمزگی ناقابل قبول تھی اور سجاد جیسے شخص کے منہ لگنا نہایت ہی بے وقوفی تھی۔ انہوں نے خود ہی فیصلہ دے دیا۔

"چلو جی جس بات میں ہمارے بیٹے کی خوشی۔ ہم سب کے سامنے لاجورد سے پوچھ لیتے ہیں۔ اس میں کوئی برائی بھی نہیں۔ تاج پتر جاؤ اسے لے کر آؤ۔" انہوں نے قالین کے ڈیزائن کو گھورتی تاجور سے کہا جو بڑی دیر سے اس مشغلے میں مصروف تھی۔ اردگرد کے ماحول سے بے نیاز... ان کی آواز پر چونک کر سر اٹھایا اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگی کہ کیا کہا گیا ہے۔ امی اس کے کھڑے ہونے سے پہلے ہی اٹھ گئیں۔

"میں لے کر آتی ہوں اسے۔" سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اس طرح تو ان کے پورے خاندان میں کبھی نہیں ہوا تھا جو آج ہونے چلا تھا۔ کچھ دیر بعد امی کے پیچھے وہ آئی تھی اور اس کی چال سے لگ رہا تھا کہ جیسے کھینچ کر لائی گئی ہے۔ آصفہ نے دیکھا اور رقیہ پھوپھو نے بھی نوٹ کیا اور حیران ہوئیں جو سوٹ اس کے لیے لے کر آئی تھیں وہ تو اس نے پہنا ہی نہیں تھا۔ صرف اس کا دوپٹہ کل کے سلوٹ زدہ کپڑوں پر اچھی طرح لپیٹا ہوا تھا۔ شاید وہ بھی امی نے زبردستی اوڑھایا تھا۔ دوپٹے کے ہالے سے جھانکتا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ پپوٹے پھولے ہوئے، ناک سرخ عارض تمتمائے ہوئے اور لرزتے ہونٹ۔ وہ آکر یوں بیٹھی جیسے ابھی اٹھ کر بھاگنا ہو اور کسی نے محسوس کیا ہو یا نہیں، آصفہ کو اس کے انداز عجیب لگے تھے، دلاور پھوپھا بولے۔

"لو جی آگئی ہماری دھی رانی۔ سجاد میاں تمہیں بہت فکر ہو رہی ہے۔ بھئی تم ہی اس سے پوچھ لو جو پوچھنا چاہ رہے ہو۔" اور میاں سجاد سیدھے ہو بیٹھے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ کھنکھار کر گلا صاف کیا۔ گویا انہیں ایک سوال نہیں تقریر کرنے کو کہہ دیا گیا ہو۔

"ہاں بھئی لاج، آج کا دن بڑا خاص ہے، تمہاری ساری زندگی کا معاملہ طے ہو رہا ہے۔ یہ لوگ تو سب سوچے بیٹھے ہیں۔ مگر سچی بات ہے مجھے تم سے بہت ہمدردی ہے، میں نہیں چاہتا تمہارے ساتھ ناانصافی ہو۔ اس خاندان نے پہلے تمہاری فیملی کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی تمہارے سامنے ہے۔" (لو بھلا۔ اس وقت اس گزرے قصے کو چھیڑنے کی بھلا کیا تک ہے۔ یہ شخص ساری عمر اس واقعے پر گرد نہیں پڑنے دے گا۔ پھونکیں مار مار نے سے باز نہیں آتا اس نے۔) سب نے ہی پہلو بدلا تھا۔

"اب تمہاری باری آئی ہے۔ تم بتاؤ، تمہارا کیا خیال ہے اس رشتے کے متعلق۔ ہاں کہتی ہو یا نا۔ سوچ سمجھ کر جواب دینا۔" ساتھ مشورہ بھی دیا ایسے جیسے کوئز پروگرام والے آپشن دیتے ہیں۔ لاجورد کا سر مزید جھک گیا تھا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھی کانپنے لگیں۔

"بولو بیٹا۔ سجاد میاں کو بتا دو۔ آخر بڑا بھائی ہے۔ بہت فکر ہے اسے تمہاری۔" دلاور پھوپھا کی طرف سے حوصلے کی کمک آئی اور اس کو لگ رہا تھا حوصلے کی طنابیں ٹوٹنے کو ہیں۔ بہت سے امتحان دیے تھے۔ مگر ایسا کڑا سوال ساری زندگی میں اس سے پہلے تک سامنے نہیں آیا تھا۔ وہ پل صراط پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ آر یا پار۔ اس کے لیے تو دونوں طرف ہی جہنم لگ رہا تھا۔ زبان بند، لب سل گئے تھے۔ بھلا وہ کس دل سے قیامت کی اس گھڑی کو آواز دے لے جو آیا ہی چاہتی تھی۔ آصفہ تو اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ گئیں۔ لحہ بہ لحہ اس کے چہرے کے بدلتے رنگ ان کی الجھن بڑھا رہے تھے۔

"آپ اللہ کا نام لے کر مٹھائی کھولیں آپا جان۔ ہماری بیٹی کی بھی وہی مرضی ہے جو ہماری ہے۔ اچھی بیٹیاں والدین کے فیصلوں پر سر جھکا دیتی ہیں۔" امی نے قصہ ہی تمام کر دیا اور وہ یوں اچھل کر کھڑی ہوئی جیسے صوفے میں کانٹے نکل آئے ہوں۔

"نہیں، نہیں... میں اس رشتے سے انکاری ہوں، میں نے نہیں کرنی شادی۔" وہ عجب بے ربطگی سے بولی اور یہ سرعت دروازے کی طرف لپکی اور سب نفوس ایسے ہو گئے جیسے اس کے منہ سے الفاظ نہیں بارود کی گولیاں نکلی ہوں اور سب کو بھسم کر گئی ہوں۔ یا ابھی ادھر سے کوڑیالا سانپ گزرا ہو۔ سب اپنی اپنی جگہ ساکت ہو گئے تھے۔

بس اک شخص نے نہایت اطمینان سے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی۔ اس کے بظاہر خوب صورت چہرے پر انتہائی مکروہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"چچ چچ... کیا زمانہ آ گیا ہے۔ گھر بلا کر اتنی بیتی۔ (بے عزتی) اتنا بڑا ڈرامہ۔ لاجی نے تو حد ہی کر دی بے شرمی کی۔ بندہ پوچھے اگر تاجور کی شادی ارباز سے نہیں ہوئی تو دونوں کے مقدر۔ اس بات کو بنیاد بنا کر فرجاد نمانے سے کس بات کا بدلہ لیا ہے۔ ایسے تو کوئی غیر بھی نہ کرے۔ اللہ معافی، اللہ توبہ، ہائے وڈی آپا آپ کے ساتھ تو جنگا ہتھ ہو گیا۔ آپ تو سچی نیت لے کر آئی تھیں، پر اگلے کا کیا پتا لگتا ہے۔ ہائے اور دیکھو کیا ہو گیا۔" موٹی رفعت چاچی گال پیٹتی ہاتھ ملتی شوشے پہ شوشا چھوڑے جا رہی تھیں۔ دلاور پھوپھا کے وجود میں بھی جنبش ہوئی۔

"بس رقیہ، بہت ہو گیا۔ بڑا شوق چڑھا تھا تمہیں بھائی سے ناتا جوڑنے کا اور گروان کے پیروں میں گروالی اپنی عزت۔ اب اٹھو اور کتنا ذلیل کرواؤ گی۔" ان کی دھاڑ شیر سے مشابہ تھی۔ ابا تو دونوں ہاتھوں میں سر تھام گئے۔ ان کے تو ہونٹ ہی جڑ گئے تھے۔ امی کے بھی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں ہر چیز دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

"ہائے ایسہ کی ہو گیا۔ اوہ بی بی جی بارتے ——

تے دیکو ہائے اللہ لاج باجی ہوش کرو۔" یکبارگی باہر سے شکیلہ کی چیخ و پکار آنے لگی۔ لاجورد کمرے سے نکلتے ہی دو قدموں پر زمین بوس ہو گئی تھی —— آصفہ اور تاجور کے علاوہ کوئی باہر نہیں گیا تھا۔ کسی کو اس سے ہمدردی نہیں تھی۔ اسے بھی نہیں جس نے کچھ دیر پہلے اعلان کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ہائے ہائے بس یہی کسر رہ گئی تھی۔ یہی دن دیکھنا باقی تھا —— اتنی ذلت، اتنی بے عزتی، پہلے کیا کم عذاب تھے ہمارے اوپر۔ تو نے ہمارے سفید بالوں کا بھی خیال نہ کیا، کیسی خاک ڈال دی۔ بوڑھے باپ کی عزت خوشی، کسی چیز کا خیال نہ آیا تجھے۔ ہمیں کسی کے سامنے سر اٹھانے جوگا نہیں چھوڑا۔ ہر کوئی تھو کے گا ہم پر۔ یہ کیا کیا ہے تو نے۔ ہائے تو مر کیوں نہ گئی اس وقت۔" امی واویلا کر رہی تھیں۔ جیسے سچ مچ کسی کی موت ہو گئی ہو اور موت تو ہوئی تھی، بلکہ خودکشی کی گئی تھی۔ اس نے کس کرب و اذیت سے گلا گھونٹا تھا اپنے ہی ہاتھوں اپنے نئے نویلے جذبات کا۔ اپنی روپہلی محبت کا۔ اس نے اجاڑی تھی اپنی دنیا۔ اپنا دل —— اس نے برباد کیا تھا۔ اپنا راستہ، اپنی زندگی۔

اس نے تو ابھی خواب دیکھنے شروع ہی کیے تھے کہ آنکھوں میں دھول پڑ گئی۔ اس نے تو ابھی رنگوں کو چھوا تھا کہ وہ کچے بے رنگ پانی کی طرح بہہ گئے۔ وہ تو پھولوں بھری راہ پر ایک قدم ہی چلی تھی کہ راہ پر خار پر گھسیٹ لی گئی تھی۔ اس کے خوابوں کی بہت بھاری قیمت مانگی جا رہی تھی۔ بہت گراں تاوان کا مطالبہ کیا گیا تھا جو اس کی استطاعت سے باہر تھا۔ سو وہ دست بردار ہو گئی اور یہ دستبرداری کیا کیا قیامتیں لائی تھی اور لائے گی، کون جانے سارے خاندان میں ہونے والی جگ ہنسائی کے خوف سے امی کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ صدمہ ہی اتنا تھا کچھ دیر پہلے وہ سب کتنے خوش تھے اور اب۔

"سارے زمانے میں ہماری ناک کٹوا کر خود بے ہوشی کا ڈرامہ رچا رہی ہے نامراد۔" ان پر جنون سوار تھا۔

"امی آرام سے اس موضوع پر پھر بات کر لیں گے۔ ابھی حالت تو دیکھیں اس کی۔" تاجور نے انہیں روکنا چاہا۔

"کیا... کیا... حالت دیکھوں میں اس کی۔ ہماری حالت نہیں دیکھی تم نے۔ اپنے باپ کو نہیں دیکھا۔ تمہارے دکھ سہہ سہہ کر ادھ موا ہوا پڑا ہے۔ آج اس نے مارنے میں کسر نہیں رکھی۔ میں کہتی ہوں نکالو باہر۔ تم بھی جاؤ اچھی۔" انہوں نے دونوں کو پکڑ کر نکال باہر کیا اور کنڈی چڑھا لی۔

"ہاں اب بتا کس بات کا بدلہ لیا ہے تم نے۔ جب ہم نے ہر پرانی بات بھلا کر تمہارے ہی بھلے کے لیے انہیں دوبارہ گلے لگا لیا، تو پھر کیا ہوا، کیوں روٹی ہماری عزت۔" وہ پلٹ کر اس تک آئیں۔ باہر وہ دونوں دروازہ پیٹ رہی تھیں۔ اندر وہ اسے... وہ چپ چاپ پٹتی رہی۔ اک کراہ منہ سے نہ نکالی۔ جتنی سختی وہ جھیل گئی تھی۔ اس کے مقابلے میں تو کچھ بھی نہ تھی۔ امی مار، مار کر تھک گئیں، تو وہ ان سے لپٹ کر رونے لگی اور جتنا چاہے غصہ کرتیں۔ آخر وہ ماں تھیں، مار کر اسے خود میں سمیٹ لیا۔

"کیوں کیا لاجی تو نے ایسے کیوں کیا۔ کیوں ہمارے سروں میں خاک ڈلوائی۔ اپنے نصیب کو بھی لیک لگالی ہے پاگلے تو نے۔"

"مجھے معاف کر دیں امی، مجھے معاف کر دیں، میرا قصور نہیں ہے۔ میرے لیے جو فیصلہ ابا نے اور آپ نے کیا، مجھے دل سے قبول تھا —— مجھے تو مصلوب کیا گیا اور ہم سے یہ دشمنی سجاد بھائی نے نکالی ہے۔ ہاں امی انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں نے اس رشتے کے لیے ہامی بھری تو وہ آپا کو طلاق دے دیں گے۔ آج ابھی سب کے سامنے، امی میری دکھی آپا میں کیسے ان کے دکھوں میں اضافہ کر دیتی۔ امی میں نے اپنی خوشیاں قربان کر دیں، امی میں نے اپنے خوابوں کو آگ لگا دی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور

انہیں تو یہ سن کر سکتہ ہی ہو گیا۔

اتنی نفرت، ایسا عناد، اتنا بغض، اتنی خود ساختہ دشمنی، تاجور تو سزا کاٹ رہی تھی کہ اس ظالم انسان کو یہی شک رہتا تھا کہ وہ ارباز کو نہیں بھولی۔ اب بے قصور وہ بھی ماری گئی تھی کہ بقول اس کے۔

"بڑے نے بڑی کا دماغ خراب کیا تھا۔ وہ آج تک اس کی یادوں سے نہیں نکلی۔ سب نے مل کر میری زندگی برباد کی۔ ارے تم نے بہن کے تجربے سے کچھ نہیں سیکھا۔ اب چھوٹے کے چکروں میں تم آگئی ہو۔ کچھ تو سوچا ہوتا فرجاد سے پینگیں بڑھاتے ہوئے۔ لیکن قصور تمہارا بھی نہیں، یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے سفید کپڑا بھی رنگین نظر آتا ہے۔ مجھے پتا ہے وہ تمہاری پھوپھی کے گھر آتا جاتا ہے۔ یہ سارا چکر اسی کا چلایا ہوا ہے۔ پر کیا تم نہیں جانتیں۔ کتنے دھوکے باز ہیں یہ۔ ان کا کوئی اعتبار ہے۔ عقل مند وہی ہوتا ہے جو ایک سوراخ سے دوبارہ نہ ڈسا جائے۔ کل کو فرجاد کو بھی کوئی رئیس زادی نظر آگئی تو وہ ادھر چل پڑے گا تو تم یہاں روتی رہ جاؤ گی اور میں تمہارا ہمدرد ہوں، میں نہیں چاہتا کہ یہ رشتہ ہو۔ وہ تو دور رہ کر نہیں بھولتے تمہاری آپا کو۔ قریب آگئے تو۔۔۔

بس میں اس فیملی کا کوئی فرد ایک نظر برداشت نہیں کر سکتا اور یہاں ساری زندگی کا رشتہ جوڑنے لگے ہو۔ یاد رکھنا اگر ایسا ہوا تو میں ایک منٹ نہیں لگاؤں گا۔ تمہاری لاڈلی آپا کو یہیں چھوڑ جاؤں گا۔ ہمیشہ کے لیے، تمہیں سب کے سامنے انکار کرنا ہو گا۔ ورنہ میں سب کے سامنے اپنا فیصلہ سنا دوں گا۔ سوچ لو اپنی خوشیاں چاہتی ہو یا بہن کی طلاق۔" کس قدر رعونت و سفاکی تھی اس شخص کے لہجے میں۔ وہ سر تا پیر کانپ گئی۔ وہ احساس کمتری کا مارا ہوا۔ خود تو محبت کرنے کے ہنر سے واقف نہیں تھا کہ اگر ذرا سی بھی عقل اس میں ہوتی تو اپنی اور تاجور کی زندگی تباہ کیے نہ رکھتا۔ محبت کو بھلانے کے لیے بھی محبتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بات اگر وہ جانتا تو روتا کیا تھا۔ وہ اپنی زندگی تو اجاڑے ہوئے تھا۔ اس کی آرزوؤں کا چمن بھی اجاڑ گیا تھا۔ وہ سر پٹخ پٹخ کر رو رہی تھی۔

"بس۔۔۔ بس چپ کر۔ یہ بات یہیں بھول جاؤ، کسی سے مت کہنا۔ پی جاؤ اسے۔" امی کا سکتہ ٹوٹا تھا۔

اور کیا اس کے لیے یہ بھول جانا آسان تھا۔ کبھی شیشہ بھی ٹوٹ کر جڑا ہے۔ پھول بھی کبھی بکھر کر سمٹا ہے۔ اس کا دل ماتم کناں تھا۔ آنکھوں میں ریزہ ریزہ خوابوں کی کرچیاں تھیں۔ جنہیں دیکھ کر امی پھر ماتم کناں ہو گئیں۔ تاجور کا دکھ ہی کیا کم تھا کہ اب وہ بھی۔

"نہیں میرے اللہ نہیں، مجھ میں اور برداشت کی سکت نہیں۔ میری بچی سے کوئی کڑا امتحان نہ لینا۔ اس کے مقدر میں خوشیاں ہی خوشیاں لکھ دے مولا۔" ان کا ممتا بھرا دل کرلانے لگا۔ رب کے حضور گڑگڑانے لگا اور ایک ماں کی دعا تو وہ قریب ہو کر سنتا ہے۔ وہ خود ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرنے والا ہے اور بے شک اس کی رحمتیں بے شمار ہیں۔

☼ ☼ ☼

دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی۔ امی نے دروازہ کھولا اور باہر چلی گئیں۔ اندر آنے والی آصفہ تھیں، جن کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ ہاتھ میں تھاما موبائل انہوں نے اس کے سامنے پھینکا تھا۔

"فرجاد کی کال آئے گی ابھی، تم سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔" وہ انہی قدموں پلٹ گئیں اور وہ اک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔ اس کے حصے میں صرف خسارا نہیں بلکہ خسارے ہی خسارے آگئے تھے۔ جن کا ادراک اسے بتدریج ہوتا تھا۔

موبائل فون کی مدھر ٹیون بجنے لگی۔ اک پل کو تو اس کا دل دھڑکنا ہی بھول گیا۔ اس لمحے کا تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اس نے صرف اپنا زیاں نہیں کیا تھا۔ اسے بھی گہری زک پہنچائی تھی۔ وہ کس منہ سے اس سے بات کرے گی، کیا کہے گی، کیا رہ گیا تھا اس کے پاس کہنے سننے کو۔ کچھ بھی تو نہیں۔ سب کچھ تو ختم ہو گیا تھا۔ بیل بجتی ہی جا رہی تھی۔ آخر کار اس نے ہمت کی۔ ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا۔ لاجور "ادھر سے تصدیق چاہی گئی تھی اور جسے اپنے ہاتھوں پرایا کیا تھا۔ اس کی آواز سن کر وہ نئے سرے سے بکھر گئی۔

"مجھ سے کچھ مت پوچھنا۔ مجھے کچھ مت کہنا۔ میں کچھ نہیں بتا سکوں گی۔ خدا کے لیے۔"

"میں نے تم سے کچھ پوچھنے کے لیے فون نہیں کیا، نہ ہی تمہارا رونا سننے کے لیے فون کیا ہے۔ تم نے جو کھیل کھیلنا تھا کھیل چکیں۔ میں تو حیران ہوں، معصومیت کی آڑ میں اتنا زہر چھپائے رکھا تم نے۔ اتنا بڑا دھوکہ کیا میرے ساتھ۔ اگر تمہاری بددیانتی صرف مجھ تک رہتی تو ٹھیک تھا۔ میں سہہ جاتا۔ لیکن میرے والدین کو گھر بلا کر پورے خاندان کے بیچ اس طرح بے عزت کرنا میری برداشت سے بہت زیادہ ہے۔ تم نے بہت بھاری قرض چڑھا دیا ہے مجھ پر اور مقروض تو میں کبھی رہتا نہیں۔ فکر نہ کرنا بہت جلد اتاروں گا سود سمیت۔" کیسی بے گانگی تھی اس کے لہجے میں اور لفظوں میں انتہا درجے کی تپش۔ اس قدر بدگمانی، اتنی نفرت کیا محبتیں اتنی جلدی مر جاتی ہیں۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ فرجاد۔۔۔ نہیں۔۔۔ پلیز تم تو مجھے سمجھو۔ کم از کم تم تو ایسے نہ کہو۔ میں مجبور ہو گئی ہوں۔ مصلوب کر دی گئی ہوں۔ باقی جو چاہیں سمجھیں جو مرضی کہیں۔ میں سب کی نفرت سہہ سکتی ہوں۔ مگر تم تو غیرت کا لبادہ نہ اوڑھو، تم تو بہتان نہ باندھو۔ میرے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے نمک تو مت چھڑکو۔ پلیز فرجاد، پلیز۔۔۔ پلیز۔" وہ کرلا رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔ فریاد کناں تھی۔ لیکن کون تھا جو سنتا۔

"ٹوں۔۔۔ ٹوں۔۔۔ ٹوں۔۔۔" رابطہ تو کب کا منقطع ہو چکا تھا اور اسے لگا تھا اس کی روح کا اس کے جسم سے۔

☼ ☼ ☼

دن بھر کے تھکے ہارے شاہ خاور نے اپنے سنہری پر سمیٹ لیے تھے۔ مغربی افق پر ڈوبتے نارنجی گولے سے پھوٹتی شعاعوں نے آسمان پر پھیلے سفید بادلوں کو البیلی نارسا روپ عطا کر دیا تھا ہر سو۔ اک کاسنی شام اتر رہی تھی۔

پرندے غول کے غول بنائے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے۔ کس قدر خوب صورت تھا یہ منظر۔ وہ بہت دیر سے بانسوں کے جھنڈ تلے بیٹھی تھی اور ہر روز کی طرح آج بھی یہ قدرتی دلکشی اس کے اندر کی اداسی ختم نہیں کر سکی تھی۔ اس کے لیے تو اک اور سوگوار دن کا اختتام ہوا تھا اور پر درد رت جگے کا آغاز ہوا چاہتا تھا۔ زندگی کسی بے کیف اور بے رنگ ہو گئی تھی۔ کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔ اس سے کچھ ہی فاصلے پر شکیلہ دہکتے تندور میں روٹیاں لگا رہی تھی ساتھ اس کی زبان بھی پوری رفتار سے چل رہی تھی۔ یقیناً" وہ اسے ہی سارے پنڈ کے قصے، کہانیاں سنا رہی تھی اور وہ تو اپنے ہی دکھوں میں اس قدر ڈوبی ہوئی تھی کہ اک لفظ پلے نہیں پڑا تھا۔

"لے لو جی۔ میرا کم تے ہو گیا۔ خیر نال تسی وی ہن اٹھو تے چل کے روٹی ٹکر کھا لیو۔ آپ نے تو دوپہری وچ کج نہیں کھایا تھا۔" شکیلہ ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہوئی تھی۔ اکثر دیہاتوں میں رات کا کھانا مغرب کے ساتھ ہی کھا لیا جاتا ہے۔ ان کے گھر کا بھی یہی اصول تھا۔ شکیلہ سب لوازمات سمیٹ رہی تھی۔ گرم گرم تندوری روٹیاں جو ہمیشہ اسے بہت مرغوب تھیں۔ آج تو ان کی سوندھی سوندھی خوشبو بھی اس کی بھوک نہیں جگا سکی تھیں۔ وہ ہنوز گم سم تھی۔ حتی کہ اب تو خونی مچھروں کا غول بھی اس کے پھیرے لینے لگا تھا۔ "لاج باجی ہن اٹھ وی جاؤ۔ ایس ویلے درختاں تھلے نئیں بہندے۔ جن بھوت چمڑ (چمٹ) جاندے نے۔"

"جن کو دکھوں کے بھوت چمٹ جائیں ان کو۔ ان جنوں، بھوتوں کا کیا ڈر۔" اس کے سینے سے ہوک نکلی تھی۔ امی کی آواز پر شکیلہ ادھر چل دی۔

ابا جی نماز پڑھ کر مسجد سے لوٹے تو اسے وہیں پایا جہاں وہ عصر سے پہلے اسے دیکھ کر گئے تھے۔

"لاج پتری یہ کوئی وقت ہے اس جگہ بیٹھنے کا۔ سو کیڑے مکوڑے کھڈوں سے نکل آتے ہیں۔ کوئی

کاٹ جائے گا' اٹھ جاؤ اب۔" ان کے لہجے میں پیار اور تحکم تھا۔ اسے اٹھنا ہی پڑا۔ اس روز کے بعد ابا جی اس سے شدید ناراض ہو گئے تھے۔

دو دن تو انہوں نے اس کی شکل نہ دیکھی تھی۔ پھر امی نے جانے کن الفاظ میں انہیں صورت حال بتائی تھی کہ ان کا دل نرم ہوا۔ اسے سینے سے لگا کر وہ کتنی دیر روتے رہے تھے۔ کس قدر برا انسان تھا۔ سجاد جس نے اپنی منتقمانہ فطرت سے ان سب کو اذیت پہنچائی تھی۔ اس کے دل میں تو اس شخص کے لیے خاص عزت نہیں تھی اور اب صرف نفرت ہی نفرت تھی۔

☆ ☆ ☆

آصفہ کی طرف آئے اسے ایک ہفتہ ہو چلا تھا۔ ابا جی اسے خود چھوڑ کر گئے تھے۔ ڈھیروں تاکیدوں کے ساتھ کہ وہ اپنا خیال رکھے' پورے دھیان سے پڑھے۔ پھوپھو کو تنگ نہ کرے وغیرہ وغیرہ۔

آصفہ دو' تین روز تو اس سے خوب اکھڑی اکھڑی رہیں۔ پھر نارمل ہو گئیں۔ لیکن وہ پہلی سی بات نہ تھی۔ کئی بار تو اس کا چاہا سب چھوڑ چھاڑ واپس چلی جائے۔ پھر ابا کی تاکیدیں یاد آتیں' تو خود کو سنبھالنے لگی۔ زیادہ سے زیادہ کتابوں کی طرف دھیان رکھتی کہ دل بہلانے کا واحد ذریعہ بھی یہی تھا۔

وہ بھی ایک اداس سی شام تھی۔ وہ پورے انہماک سے کتابوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ جب گیٹ کے باہر بائیک رکی۔ اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ کچھ تو قف سے بیل ہوئی۔ نمرہ بھی اس کے پاس ہی ہل ہل کے سبق یاد کر رہی تھی' کتاب رکھ کر گیٹ کی جانب دوڑی۔

"آہا فرجاد بھائی۔" اس کی چیخ نے گمان پر یقین کی مہر رکھی تو ڈوب ڈوب کر ابھرتا دل اک لحظے کو تو بالکل ہی ڈوب گیا۔ اس کا سامنا کسی کڑے امتحان سے کم نہ تھا۔ بے اختیار کتاب چہرے کے آگے کر لی۔ اس سے چھپنے کی اک بے وقوفانہ کوشش۔

ہمیشہ نک سک سے سجا بنا فرجاد آج یکسر بدلا ہوا تھا۔ ملگجے سے شلوار قمیص میں ملبوس' بکھرے بالوں بڑھی شیو کے ساتھ نڈھال تھکا تھکا سا۔ اسے دیکھ کر لاجورد کے دکھوں میں اور اضافہ ہوا تھا۔

اس نے صرف اپنا چہرہ چھپایا تھا۔ تمام وجود تو نہیں' لیکن وہ اسے یکسر نظر انداز کیے اندر چلا گیا اور وہ سخت پچھتائی۔

"کیوں کیا میں نے ایسا۔ اس کا سامنا کر کے معافی کیوں نہیں مانگی۔ اس کی غلط فہمی دور کیوں نہ کی۔ اسے بتایا کیوں نہیں کہ جو کچھ وہ سمجھتا ہے ویسا کچھ نہیں۔ اگر وہ دکھی ہے تو میں خود کتنی دکھی ہو گئی ہوں جب منزل فقط دو گام رہ جائے اور تقدیر کوئی چال چل جائے تو دل و روح کیسے گھائل ہوتے ہیں۔ خوابوں کی کرچیاں کیسے ریشہ ریشہ ادھیڑ ڈالتی ہیں۔ تم نے اذیت سہی ہے تو عذاب میں بھی بھگت رہی ہوں۔ امید کی ٹوٹی ڈور الجھ گئی ہے۔ اب یہ سلجھتی بھی ہے یا۔" وہ سوچوں میں الجھی مانے بانے بن رہی تھی۔ خیالوں ہی خیالوں میں اسے کتھا سنا رہی تھی اور چونکی تو تب جب وہ اندر سے نکلا اور سیدھا گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔ اب تو اس کے چہرے کے آگے کتاب نہیں تھی۔ پھر بھی اس نے نگاہ غلط تک نہ ڈالی تھی۔ وہ گیٹ کھول چکا تھا۔ جب وہ بے تاب ہو کر پکار اٹھی۔

"فرجاد۔۔۔ فرجاد۔" ننگے پاؤں اٹھ کر وہ گیٹ تک دوڑی تھی۔ اس نے سنا نہیں تھا یا ان سنی کر گیا تھا۔ اس کے گیٹ تک پہنچنے پر وہ بائیک کو زوردار کک لگا چکا تھا۔

"فرجاد رکو۔۔۔ میری بات تو سنو' پلیز۔۔۔" اس کا دوپٹہ کانٹے دار جھاڑی میں الجھا تھا۔ بالکل اس کے نصیب کی طرح۔ وہ جا چکا تھا۔ پیچھے دھول اڑ رہی تھی۔ وہ جہاں کی تہاں رہ گئی۔ نڈھال قدموں سے پلٹی تو سامنے ہی آصفہ سے نظر جا ملی جو نہایت عجیب تاثرات سے اسے گھور رہی تھیں۔ وہ اندر تک کٹ کر رہ گئی۔ بے قصور ہوتے ہوئے وہ قصوروار ٹھہرا دی گئی تھی۔ جو گناہ کیے نہ ہوں ان کا بھگتان بھرنا کتنا مشکل ہوتا ہے یہ اس نے اب جانا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات روتے تڑپتے گزری۔ صبح سر منوں وزنی تھا۔ آنکھیں شدت گریہ کی چغلی کھاتی ہوئیں۔ اسی لیے تو جب وہ کالج یونیفارم پہنے کچن میں آئی تو آصفہ بھی چونک گئیں۔

"کیا بات ہے لاج' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"جی۔۔۔" اس نے مختصر جواب دے کر چائے کا کپ اٹھا لیا۔ رات بھی اس نے کھانا برائے نام کھایا تھا' آصفہ نے ٹوکا۔

"خالی پیٹ چائے مت پیو' ناشتا کرو' میں تو کہتی ہوں کالج مت جاؤ مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ نمرہ کو بھی رات سے بخار ہے۔ وہ آرام کر رہی ہے۔"

"لیکن میرا آج بہت ضروری پریکٹیکل ہے۔ چھٹی نہیں کر سکتی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔" اس نے انہیں تسلی دی اور مزید اطمینان کے لیے تھوڑا بہت ناشتا بھی کر لیا۔ انہیں خدا حافظ کہتی وہ گھر سے نکل آئی۔ روڈ تک آتے ہی کالج وین مل جاتی تھی۔ ابھی اسے کھڑے چند لمحے ہی ہوئے تھے کہ بلیک شیشوں والی وائٹ کرولا پاس آن رکی۔ فرنٹ ڈور کھلا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان شخصیت کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔ بلو جینز پر ریڈ وائٹ لائننگ والی شرٹ پہنے' تازہ شیو کیے' جیل سے بال سمیٹے خوشبوؤں میں نہایا ہوا کل کی بہ نسبت بہت نکھرا نکھرا اور اچھا لگ رہا تھا۔ کل وہ اس کی پکار پر ٹھہرا بھی نہیں تھا۔ وہ اس سے ناراض تھا اور اس کی ناراضی کیسے اسے سولی پر لٹکائے ہوئے تھی۔

ملنا نہ ملنا سب مقدر کے ہاتھ ہے' لیکن اگر محبت میں بدگمانیاں پیدا ہو جائیں تو یہ تمام عمر ناسور بنے جسم و جاں کو مبتلائے آزار رکھتی ہیں۔ دل یاد ماضی کا بوجھ اٹھائے بے کل بے کل' آنکھیں لہو چھلکاتی اور روح بے یقینیوں کی کثافت میں لپٹی ہر پل کراہتی ہوئی۔ بچھڑنا ہی ہے تو پھر اس طرح بچھڑا جائے کہ اپنی ذات پر بے وفائی کا داغ نہ لگا رہے۔

فرجاد اک لفظ نہیں بولا تھا۔ دروازہ کھولے خود وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتا۔ گویا بیٹھنے یا نہ بیٹھنے کا فیصلہ اس پر تھا اور فیصلہ تو وہ کر چکی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔ فرجاد نے اگنیشن میں چابی گھمائی اور گاڑی سبک رفتاری سے چلنے لگی۔

کسی جھٹکے سے اس کا استغراق ٹوٹا تھا۔ گاڑی شہر کی حدود سے باہر کے راستے پر محو سفر تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ فرجاد۔۔۔ میں نے کالج جانا تھا بہت ضروری۔" وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس کا چہرہ مکمل بے تاثر تھا۔

"اف خدا تم کہاں لے کر جا رہے ہو' مجھے کچھ بولتے کیوں نہیں۔" ایک تو انجان راستے پر وہ گونگے کا گڑ کھائے بیٹھا تھا وہ چیخ اٹھی۔

"گھبراؤ مت۔ اغوا نہیں کرنے لگا تمہیں۔ جیسے لے کر جا رہا ہوں ویسے چھوڑ آؤں گا اور پلیز اب کوئی سوال نہ کرنا کار ڈرائیونگ کا کوئی خاص تجربہ نہیں ہے میرا' اپنے ساتھ ساتھ مجھ غریب کو بھی مرواؤ گی۔" وہ نہایت بے لچک دو ٹوک لہجے میں کہتا یکسر اجنبی لگا تھا اور پھر واقعی لاجورد کی ہمت نہیں پڑی تھی اسے مخاطب کرنے کی۔

البتہ دل کو دھکے لگ گئے تھے۔ وہ اس لمحے کو پچھتا رہی تھی۔ آخر کار ہوا کے دوش پر تیرتی گاڑی ایک نسبتاً "غیر آباد علاقے میں جا پہنچی۔ جا بجا تعمیراتی کام ہو رہا تھا۔ وہ بھی ایک زیر تعمیر بنگلہ تھا۔ جس کے کچے پورچ میں فرجاد نے کار جا روکی تھی اور اس تمام عرصے میں پہلی بار مسکرا کر اس پر نگاہ کی' جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"میں سمجھتا رہا کہ تم نے صرف میرے ساتھ کھیل کھیلا ہے۔ لیکن آج جس طرح بغیر کسی تصدیق کے تم نے مجھ پر اعتبار کیا اس سے میں نے محسوس کیا ہے کہ شاید تمہیں بھی مجھ سے محبت رہی ہے۔"

"شاید۔۔۔" اس کا دل کراہا تھا۔ وہ گاڑی سے اترا' دوسری طرف سے آ کر اس کے لیے دروازہ کھولا' ہاتھ

پکڑ کر باہر نکالا۔

"اچھی طرح دیکھ لو' یہ گھر میرا ہے اور آج سے ہمارا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ وہ کیا دیکھتی آنکھوں کے آگے دھند کی چادر تن رہی تھی۔ وہ اسے اک کمرے میں لے آیا۔ کچا پکا فرش بغیر پلستر کی دیواریں عجیب پر ہیبت لگ رہی تھیں۔ دو کرسیاں' ایک میز عین وسط میں رکھی تھی۔

"تم بیٹھو' میں ابھی آیا۔" اسے چھوڑ کر وہ الٹے پیروں باہر گھوم گیا۔ تھوڑی دیر بعد آیا تو ہاتھوں میں اک ٹرے تھی۔ جسے میز پر رکھا۔ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ وہ جوں کی توں کھڑی تھی۔

"ارے تم ابھی تک وہیں ہو۔ بی ایزی یار۔ جتنا اعتبار مجھ پر کیا ہے ناتھوڑا سا اور کرلو۔ میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔ دیکھو میں یہ ناشتا لے کر آیا ہوں۔ یقین کرو میں کئی دنوں سے بھوکا ہوں۔ میری بھوک' پیاس سب ختم ہوگئی تھی اور آج میرا کھانے کا حق بنتا ہے۔ تم میرے پاس ہو' میری ہر ٹینشن دور ہوگئی ہے۔ چلو آؤ میرے ساتھ ناشتا کرو۔" اسے دعوت دے کر شریک ہونے کا انتظار کیے بغیر وہ شروع ہو چکا تھا اور اس کے انداز بتا رہے تھے جو کہا ہے سچ ہے۔ ڈٹ کر پر تکلف ناشتا کیا۔

"افوہ بھئی تم تو ایسے کھڑی ہو جیسے کچھ چرا کر بھاگنے کا ارادہ ہے۔ میرا دل تو چرا لیا ہے' اب اور کیا چرانا ہے' اوہو اور تم نے کچھ کھایا بھی نہیں' خیر تم نے ناشتا کیا ہی ہوگا۔ چلو کم از کم چائے ہی میرے ساتھ پی لو' پھر جانے کب یہ موقع نصیب ہو۔" فرجاد نے ایک کپ اس کے اور ایک اپنے سامنے رکھا اور فلاسک سے چائے انڈیلنے لگا۔

"دیکھ لو تمہارے کرنے والے کام بھی میں کر رہا ہوں۔ چائے تو بنا دیتیں اپنے ہاتھوں سے۔" وہ کتنا بے فکر تھا اور وہ اسی قدر ہراساں۔

"تم۔ تم مجھے یہاں کیوں لائے۔ مجھے ابھی جانا ہے واپس۔ فوراً۔" وہ رو دینے کو تھی۔ دروازے کی طرف بڑھی کہ دفعتاً" کھلے پٹ پر کسی نے زوردار ہاتھ مارا۔

"ابے جگر تیرا ابھی تک ناشتا نہیں ہوا۔ ادھر مولانا صاحب تشریف لے آئے ہیں۔" باہر سے کوئی با آواز بلند بولا تھا۔

"ٹھیک ہے بٹھاؤ انہیں آرہا ہوں۔" فرجاد نے آواز کا جواب دیا' پھر اس کی جانب مڑا۔ اس کے خوب صورت سادہ چہرے پر پریشانی و خوف کے سائے لرزاں تھے۔ آنکھیں چھلکنے کو بے تاب۔

"سوری لاج۔ گو کہ یہ سب مجھے اچھا نہیں لگ رہا تو تمہیں بھی نہیں لگ رہا ہوگا۔ لیکن جیسے حالات میرے ساتھ پیش آئے ہیں مجھے ناچاہتے ہوئے بھی یہ قدم اٹھانا پڑ رہا ہے۔ تم چادر اچھی طرح اوڑھ لو۔ کچھ دیر میں مولانا صاحب ادھر آئیں گے' تم سے اجازت لینے' ہمارا نکاح ہو رہا ہے۔" فرجاد کے منہ سے لفظ نکلے تھے یا کوئی بم جو اس کے اعصاب پر آ پڑا تھا۔

"کک۔ کیا۔ یہ۔ کیا کہہ رہے ہو تم۔ تت۔ تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔" وہ بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔

"ایسا ہو رہا ہے تم خود کو ذہنی طور پر تیار کرلو۔ میں آتا ہوں ابھی۔" وہ جانے لگا۔ لاجورد نے لپک کر راہ روکی۔

"تم نہیں جا سکتے۔ مجھے ابھی چھوڑ کر آؤ۔ میں یہاں ایک منٹ نہیں ٹھہر سکتی' سنا تم نے۔"

"اور تم بھی سن لو۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہی ہوگا۔ انکار میں کسی صورت برداشت نہیں کروں گا' سمجھیں۔" وہ غرایا۔

"کک۔ کیا کرلو گے تم۔ دیکھو۔ ایسے مت کرو' پلیز اتنی انتہا تک مت جاؤ' ایسے اچھا نہیں ہے' میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ میں کس قدر مجبور ہوگئی تھی۔ میری پوری بات تو۔"

"میں نے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔ میں کچھ سننا نہیں چاہتا' تم نے جو اس روز میرے والدین کو گھر بلا کر خاندان بھر کے سامنے ذلیل کیا۔ وہ میرے لیے چھوٹی بات نہیں۔ تم نے میرے ساتھ مکاری کی۔ فریب کیا۔ ارباز بھائی کی غلطی کا بھگتان میں کیوں

بھروں۔ دھوکہ انہوں نے کیا۔ میں تو تمہارے ساتھ فیئر تھا۔ سچے دل سے اپنانا چاہتا تھا تمہیں اور اب بھی میری خواہش میں کھوٹ نہیں' اس لیے تو تمہارے ساتھ برا کرنے کی بجائے اچھا ہی کر رہا ہوں۔ میں نے تو جائز طریقہ چاہا تھا' ایسا تو سوچا بھی نہیں تھا۔ مگر تمہاری عیاری نے مجھے اس امر کے لیے مجبور کیا ہے۔ اب بھی میں صرف نکاح چاہتا ہوں۔ اس کے بعد تمہیں چھوڑ آؤں گا' ہاں تمہاری مرضی ہو میرے ساتھ رہنا چاہو تو موسٹ ویلکم' یہ گھر تمہارا ہوگا۔ میرا فیصلہ تمہارے سامنے ہے۔ بخوشی قبول کرلوگی تو بہتر ہے' ورنہ دو دن بھی اس کمرے میں رہ کر گئیں تو نہ ادھر کی رہو گی' نہ ادھر کی' سوچ لو' عزت چاہتی ہو یا ساری عمر کا اندھیرا۔" وہ دروازہ بند کر کے جا چکا تھا۔ وہ سناٹوں کی زد میں تھی۔ انتہائی ناقابل یقین یہ وہ فرجاد تو نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی۔ یہ تو کوئی اور تھا' نہایت ظالم' شقی' کیا نام دیتی وہ اسے۔ یہ آج کیسا دن آیا تھا اس پر' حیرت سی حیرت' پریشانی سی پریشانی۔ رو' رو کر اس کا گلا بیٹھ گیا۔ سر پھٹ رہا تھا۔ وہ نڈھال ہوگئی تھی' جانے کتنی دیر بیتی۔

دروازہ کھلا۔ وہ اندر آیا تھا اور اس کے پیچھے کون کون تھے۔ کیا کارروائی ہوئی۔ اس نے کیا سنا' کیا کہا' کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

سب فرجاد سے گلے ملتے' مبارک باد دیتے باہر جا چکے تھے۔ وہ بھی اس کے ہارے ہوئے وجود پر اک نظر ڈالتا ان کے پیچھے ہو لیا۔ واپس آیا اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا' ہاتھ میں پلیٹ تھی۔

"انسان کیا کیا خواب دیکھتا ہے۔ اپنی آئندہ زندگی کے لیے کیا کیا پلان کرتا ہے۔ بڑے منصوبے بناتا ہے۔ بڑی تدبیریں کرتا ہے' لیکن اکثر وہ نہیں ہوتا جو وہ چاہتا ہے اور جو ہوتا ہے وہ صرف منجانب اللہ ہوتا ہے۔ میرا تو یہ ایمان ہے تم بھی اس پر ایمان رکھو اور رونے کی بجائے اپنے آپ کو سنبھالو' جو ہوا بہتر ہوا۔ آگے بھی اچھا ہی ہوگا۔ سب وہم دل سے نکال کر ایک بار اس سچوئیشن کو محسوس تو کرو۔ پھر دیکھو کتنا اچھا فیل ہوتا ہے۔ لو یہ مٹھائی بھی کھاؤ۔" اس کے لہجے و انداز میں کتنا اطمینان تھا۔ جیسے دنیا فتح کر بیٹھا ہو۔ لاجورد نے پلیٹ لے کر فرش پر دے ماری۔

"میں۔ میں سمجھتی تھی کہ تم بہت اچھے ہو۔ لیکن تمہاری اصلیت تو آج مجھ پر کھلی ہے۔ جنگلی' وحشی' گرے ہوئے انسان' تم نے یہ کیا' کیا ہے میرے ساتھ۔ کیوں کیا ایسا' مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ تم اتنے برے بھی ہو سکتے ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ مجھے نفرت ہے تم سے شدید نفرت۔" اس کے کالر کھینچتے ہوئے وہ جنونی سی بولتی چلی گئی۔

"میں گرا ہوا انسان ہوں۔ میں برا ہوں' تمہیں مجھ سے نفرت ہے' ٹھیک ہے' تمہیں حق ہے جو مرضی کہو' میں خود شرمندہ ہوں' تم سے محبت کرنے پر' ہاں اس نکاح پر مجھے کوئی افسوس نہیں' لیکن اگر تمہیں یہ بھی پسند نہیں تو یہ لو۔" وہ کالر چھڑاتا کھڑا ہوا۔ شرٹ کی پاکٹ میں سے تہ شدہ پیپر نکالا' جینز کی پاکٹ میں سے ماچس برآمد کی اور آن کی آن میں دیکھتے ہی دیکھتے وہ کاغذ راکھ بن کر اس کے قدموں میں بکھر گیا۔ وہ ساکت سی منہ پر ہاتھ رکھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے تماشا دیکھتی رہی۔

"لو جی۔ یہ قصہ بھی ختم۔ یہ نکاح نامہ تھا جواب نہیں ہے' ہمارا نکاح ہوا ہے' یہ میں جانتا ہوں یا تم جانتی ہو' تیسرا گواہ اور کوئی نہیں' جو ثبوت تھا وہ مٹ چکا' میں اس بات کا تذکرہ کہیں نہیں کروں گا' تم بھی مت کرنا' اب خوش۔" وہ ہاتھ جھاڑ کر پھر سے بیٹھ چکا تھا۔

"تت۔ تم پاگل ہو چکے ہو فرجاد۔ قسم سے تم پاگل ہو چکے ہو' یہ کیا کر دیا۔" بہت دیر بعد اس کے حلق سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی تھی' اب تک یقین نہیں آیا تھا آنکھوں نے جو دیکھا ہے وہ ہو گزرا ہے۔

"کبھی کہتی ہو یہ کیا کیا' کبھی کہتی ہو وہ کیا کر دیا۔ پاگل تو تم نے مجھے کیا ہے' جو پہلے ہوا اس پر بھی خوش نہیں تھیں' جو اب کیا اس پر بھی پریشان ہو' مجھے بتاؤ

میں کیا کروں' کھانا بھول جاؤ جو کچھ ہوا۔" وہ کتنا معصوم بن رہا تھا۔ لاجورد کا بس نہیں چلا تھا کیا کر ڈالے۔ اس پر زور نہیں تھا۔ اپنے آنسوؤں پر تو اختیار تھا جو پھر تیزی سے بہنے لگے۔

"جب یہ شغل پورا کر لو تو بتا دینا۔ میں تمہیں چھوڑ آؤں گا۔" وہ قطعاً" متاثر ہوئے بغیر اٹھ کر چلا گیا۔ وہ ایک بار پھر چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

آصفہ اتنا جانتی تھیں کہ وہ صبح کالج جا رہی تھی تو اس کی طبیعت خراب تھی اور واپسی پر انتہائی خراب۔ تین دن تو اس کا بخار ٹوٹ کر نہ دیا۔ اکثر تو وہ غنودگی میں ہی رہتی۔ ذرا جو ہوش میں آتی تو علاوہ رونے کے اس سے کوئی بات نہ ہو پاتی۔ وہ روئے جاتی' حتیٰ کہ ہچکیاں بندھ جاتیں۔ آصفہ نے گھبرا کر گاؤں فون کر دیا۔

اگلے دن ہی امی آ گئیں' ساتھ اشعر بھی تھا' اس کی حالت دیکھ کر وہ دونوں بھی پریشان ہو گئے۔ یہ وہ صحت مند سی سنہری رنگت والی لاجورد تو نہ تھی۔ اندر کو دھنسی آنکھیں' زرد رنگ' پپڑی جمے ہونٹ' امی تو اس کی پٹی سے لگ گئیں۔ پڑھ پڑھ کر پھونکتیں۔ وقت پر دوا اور غذا کھلاتیں' ایک سے بھلے دو' اکیلی آصفہ کے قابو میں تو وہ آتی نہ تھی۔ اب امی بھی تھیں۔ اس کی ایک نہ چلتی' یوں اتنی تیمارداری سے دونوں میں بخار تو اتر گیا' مگر کمزوری اور نقاہت اب بھی بے تحاشا تھی۔ آنکھیں ہمہ وقت بھیگی رہتیں۔ وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ کچھ یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر جب بھی پلکیں موندتی وہ سارے منظر ذہن کے پردے پر روشن ہو جاتے۔ وہ تڑپ کر آنکھیں کھول لیتی۔ دل شدت کرب سے پھٹنے لگتا۔ یہاں رہ کر اس بے درد سے سامنا لازمی تھا۔ وہ اس کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ امی کے ساتھ ہی گاؤں آ گئی۔

یہاں آ کر امی کے علاوہ ثمن بھی سارا دن اس کے پاس آ جاتی اور اس کی کتر کتر چلتی زبان پر جہاں بھر کے قصے ہوتے۔ وہ بھی اس کی طرف دھیان لگانے کی کوشش کرتی کہ یوں مقدور بھر اپنے اندر کی اکھاڑ پچھاڑ سے بچی رہتی۔ تاجور نے اس کی بیماری کا سنا تو وہ بھی سجاد کے ساتھ آئی اس کی عیادت کے لیے۔ اس نے سنا تو سوتی بن گئی۔

صرف اس شخص کی وجہ سے آج وہ اس مقام پر تھی۔ جہاں لگتا تھا نہ دھوپ ہے نہ چھاؤں۔ زندگی کے آسمان پر ہر سو سیاہ گھنگھور گھٹائیں چھا گئی تھیں۔ تیز ہوا تھی اور خدا جانے آنے والے لمحات میں گرد آلود طوفان اٹھنے والا تھا یا رحمت کی برسات۔ دل کے آنگن میں جہاں پہلے خواب' آرزوئیں' امنگیں بھری تھیں' اب وہاں پر ہول سناٹے بول رہے تھے۔ ایک ہی دھڑکا بے سرے جھینگر کی طرح چرائے جا رہا تھا۔ "جب سب کے علم میں یہ بات آئے گی تو کیا ہو گا۔ کیا ہو گا' کیا ہو گا" وہ تو مارے ڈر کے امی ابا سے نظریں چرائے رکھتی تھی۔ دل کا چور کسی سے آنکھیں ملانے ہی نہ دیتا تھا۔ اک شکنجے میں پھنس چکی تھی اس کی جان اور اسے لگتا تھا جسم سے روح اب نکلی کہ تب۔

سب کچھ کتنا اچھا ہو رہا تھا' زندگی کتنی پرسکون کس قدر خوب صورت ہوتی' اگر جواس شخص کی شیطانیت نہ آڑے آتی۔ وہ اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی۔ نفرت ہو چکی تھی اسے سجاد کے نام سے بھی۔

وہ دونوں کمرے میں آئے تھے۔ تاجور نے اس کے بکھرے بال سمیٹے' ماتھا چوما۔

"کتنی کمزور ہو گئی ہے لاج' اس کی تو وہ پہلی جیسی صحت ہی نہیں رہی۔" وہ بھی پریشان ہوئی۔

"مجھے تو اس کی بیماری کسی اور چکر میں لگتی ہے۔" سجاد نے بغور اس کی بند آنکھیں دیکھیں۔

"کیا مطلب۔" تاجور الجھی۔

"بھئی میں نے تو پہلے بھی تم لوگوں سے کہا تھا کہ لڑکی کو خوامخواہ پڑھائی کے چکروں میں ڈالا ہوا ہے۔ بارہ' چودہ جماعتیں پڑھ کر اس نے فیکٹری تو نہیں کھولنی' کرنا تو وہی ہے جو تمہاری ماں اور تم کر رہی ہو' تمہیں تو نہ پڑھایا اتنے شوق سے۔ فٹافٹ شادی

کر دی۔ تم کہیں بھاگی جا رہی تھیں اور اسے اوروں کے گھر رکھا ہوا ہے۔ رشتے وار پھر رشتے دار ہی ہوتے ہیں' چاہے کتنے ہی سگے کیوں نہ ہوں۔ لڑکی کی وہ نگرانی نہیں کر سکتے جو ماں' باپ کی نظریں کرتی ہیں۔ اس عمر کی لڑکیاں اپنے گھروں کی ہو جائیں تو اچھا ہے' یہ عمر بڑی خطرناک ہوتی ہے' تم بھی اپنے ماں' باپ سے کہو بس کریں' اب اس کی شادی کر دیں' اگر ان کو کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہیں ملتا تو میں ڈھونڈ دیتا ہوں کوئی لڑکا۔ بڑے دوست یار ہیں میرے' ایک سے ایک سوہنے گھبرو جوان' کیا نام تھا تمہاری اس پھوپھی کے لڑکے سے تو چنگے ہی ہیں۔ ویسے میرا تو خیال ہے اس نے اسی منڈے (لڑکے) کا روگ تو نہیں لگا لیا۔ تمہاری پھوپھی کے گھر آتا جاتا ہے وہ۔ علیک سلیک ہو گئی ہو گی دونوں کی۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں۔ اس نے تو خود اس رشتے سے انکار کیا ہے۔ خدانخواستہ یہ کیوں روگ لگانے لگی۔ لاج اس طرح کی لڑکی نہیں ہے۔" تاجور تو تڑپ ہی گئی اس خیال پر۔

"اچھا۔۔۔" سجاد کے ہونٹوں پر بڑی کمینی ہنسی پھیل گئی۔

"ہاں۔۔۔ اس نے تو خود انکار کیا ہے اس رشتے سے اور ساری لڑکیاں اس طرح کی نہیں ہوتیں یہ تو لڑکے ہی برے ہوتے ہیں' جوان کا دماغ خراب کرتے ہیں' ہے نا۔"

"بالکل۔ بالکل' کتنی سچی بات کی ہے سجاد بھائی آپ نے۔ مجھے تو آج خبر ہوئی کہ آپ اتنے سچے اور کھرے انسان ہیں۔ یقین مانیں لڑکے بہت ہی برے ہوتے ہیں۔ ایک وقت میں دس' دس لڑکیوں کو بے وقوف بنایا ہوتا ہے۔ عورت پر تو الزام ہے نا کہ وہ ایک محبت نہیں بھولتی۔ مگر یہ مرد' اف توبہ اگر گزشتہ و حالیہ سو پچاس محبتیں بھی ہوں نا تو یہ ان میں سے ایک بھی نہیں بھولتے' بلکہ نمک مرچ لگا کر فخریہ اپنی آوارگی کے عظیم کارنامے انجام دیے ہوں۔" چائے کی ٹرے لیے آتی ثمن نے تبصرہ کیا تھا' سجاد کی بھنویں تن گئیں۔

"اس میں آوارگی کہاں سے آ گئی' یہ تو مردانگی ہے۔ نوجوانی میں لڑکے ایسی شوخیاں' شرارتیں کرتے ہی رہتے ہیں۔ لڑکیاں کیوں ان کے چکروں میں پھنستی ہیں۔ انہیں عقل نہیں ہوتی۔"

"واہ بہت خوب۔ مردوں نے اپنے لیے کتنی چھوٹ رکھی ہوئی ہے۔ خود کریں تو شوخیاں' شرارتیں' واہ سبحان اللہ اور قبل از شادی تو آپ بھی خاصے منچلے ہوتے تھے سجاد بھائی۔ یہاں تک کہ میں نے تو اڑتی اڑتی سنی ہے آپ کی تو آج کل بھی کہیں گڈی اڑی ہوئی ہے۔" ثمن بہت صاف گو ہے اس کا اندازہ تاجور کو بھی آج ہی ہوا تھا۔ سجاد پہلے تو چونکا' پھر کھسیانی ہنسی ہنس پڑا۔

"لوگ تو یوں ہی بے پر کی اڑاتے ہیں' تم لاؤ چائے پلاؤ۔"

"جی نہیں' پر ہوتا ہے تو کوا بنتا ہے۔" وہ بحث کے موڈ میں تھی' تاجور سر جھکائے انگلیاں چٹخا رہی تھی' وہ اس پر برس پڑا۔

"تم یہ کیا نحوست پھیلا رہی ہو' جلدی سے چائے پیو' پھر واپس بھی جانا ہے۔"

"کیوں اتنی جلدی' شام کا کھانا کھا کر جائیے گا نا آپ لوگ۔"

"اوہ چھڑو جی' گھر میں بھی کھانا پک رہا ہو گا۔ جس کے لیے تمہاری آپا بے چین ہو کر آئی ہے وہ تو بے خبر سو رہی ہے۔ اتنی آوازوں سے تو مردے بھی اٹھ جائیں۔" اس نے زور سے کپ پٹخا۔

"دراصل کتنے دنوں سے اس کی طبیعت خراب ہے۔ نیند پوری نہیں ہوتی۔ وقت بے وقت سو جاتی ہے۔ میں جگاتی ہوں۔" ثمن آگے بڑھی۔ تاجور نے روک دیا۔

"رہنے دو اس کی نیند خراب نہ کرو' خود ہی اٹھ جائے گی تو مل لیں گے۔"

"وہ چاہے اگلی صبح تک نہ اٹھے' تم ملتی رہنا میں چلتا ہوں۔ اپنے باپ یا بھائی سے کہنا تمہیں چھوڑ جائیں

گے۔" سجاد نے اک لمحہ نہ لگایا اٹھنے میں، حکم صادر کرتا کمرے سے نکل گیا، تاجور پیچھے لپکی۔

"آج ثابت ہو گیا کہ سچ کڑوا ہوتا ہے۔ خود دوسروں پر کتنی باتیں کرتا ہے یہ آدمی۔ اپنی باری پر ایک برداشت نہیں ہوئی، بے چاری تاج آپا کس مصیبت سے پالا پڑا ہوا ہے ان کا۔ انہی کا دم ہے کہ گزارہ کر رہی ہیں، کوئی اور ہوتی تو کب کی بھاگ چکی ہوتی، اتنی خوب صورت اور نیک بیوی ملی ہے، پھر بھی ادھر ادھر منہ ماری کرتے ذرا شرم نہیں آتی۔ اوپر سے کیسے اکڑتا ہے واہیات انسان۔" شمن بڑبڑاتے ہوئے برتن سمیٹنے لگی، سیدھی ہوئی تو اس پر نظر گئی، وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

"اس۔۔۔ تم جاگ رہی ہو، بہت ہی فضول ہو بھئی، یہ کیا حرکت تھی، آپا سے ملی کیوں نہیں۔"

"مل لوں گی، تم کیا بول رہی ہو، کیا قصہ ہے سجاد بھائی کا۔" اسے اک نئی فکر لگ گئی۔

"ارے دفع کرو، یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہے، بڑی پرانی کہانیاں ہیں یہ تو، میں نے تو ان کے منہ پر اس لیے پوچھا ہے کہ ان کو بھی پتا چلے ہم اتنے بھی بے خبر نہیں جتنا یہ سمجھتے ہیں۔ بس ان کو کوئی شرمندہ کرنے کی جرات نہیں کرتا، اسی لیے ان کی ڈھٹائی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ویسے بھی ہوتے ہیں کچھ لوگ۔ جن سے کوئی اچھا کام تو ہو نہیں سکتا، وہ اپنی اوچھی حرکتوں سے ہی دوسروں پر رعب ڈال کر خوش ہوتے ہیں، ان کو بھی مسکین سی بیوی مل گئی ہے۔ جس کو ڈرا، ڈرا کر اپنی جنونی انا کو تسکین دیتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ ذہنی مریض ہوتے ہیں، احساس کمتری کے مارے ہوئے۔ وہ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی بیمار کر دیتے ہیں۔ کاش۔۔۔ ارباز بھائی نے ہی راہ نہ بدلی ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا، آج حالات کتنے مختلف ہوتے۔" وہ بہت غصے میں بول رہی تھی۔ ویسے

لاج اب تو سچ سچ بتا دو تم نے فرجاد کے رشتے سے انکار کیوں کیا تھا۔ یقین مانو کبھی کبھی مجھے تم پر اتنا غصہ آتا ہے کہ حد نہیں۔ مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی سارے کے سارے اندھے اور بے وقوف ہمارے ہی خاندان میں کیوں پڑے ہیں۔ پہلے ارباز بھائی پھر تم۔ اچھا بھلا کماتا کھاتا لڑکا ہے فرجاد۔ اپنا کاروبار پھر لاہور کے نزدیک ذاتی مکان بھی بنا رہا ہے اور کیا چاہیے تھا تمہیں لیکن ایک آنکھ کا اندھا اسے بھی تم ہی نظر آئیں اور کوئی دکھائی نہ دی اسے۔ خیر میرے لیے بھی کوئی نہ کوئی شہزادہ تو کہیں ہو گا۔ لیکن سچ پوچھو تو جو ہوا اچھا نہیں ہوا۔ اور تمہیں پتا ہے فرجاد ملک سے باہر جا رہا ہے۔"

"کیا۔" وہ پوری جان سے لرز گئی۔ یہ کیا سنا تھا اس نے۔ اس کو ایک ان دیکھے گرداب میں پھنسا کر خود وہ کہیں اور جانے لگا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا۔

"کک۔۔۔ کہاں جا رہا ہے وہ۔" اس کی سانس رک رک گئی۔

"یہ تو کنفرم نہیں، بہرحال یہ پکی بات ہے کہ وہ باہر جا رہا ہے۔ پچھلے دنوں دونوں بھائیوں کی لڑائی ہوئی ہے بہت زبردست، جاذبہ بھابھی اپنی کسی کزن کا رشتہ دے رہی تھیں اس کے لیے۔ جو اس نے ریجیکٹ کر دیا۔ جو انہیں حسب توقع بہت برا لگا۔ جس کے نتیجے میں وہ آج کل گھر سے باہر ہے۔ کیونکہ جہاں وہ رہ رہے ہیں وہ گھر تو جاذبہ بھابھی کا ہی ہے۔ اس کے پیچھے پھپھو اور سب لوگ بھی اپنے زیر تعمیر مکان میں شفٹ کر گئے ہیں پچھلے دنوں اس نے بزنس بھی شروع کیا تھا جو اب سب چھوڑ چھاڑ باہر جانے کی دھن میں لگ گیا ہے۔ گاؤں بھی وہ اس سلسلے میں آ رہا ہے۔ پھوپھا جی کی زمین فروخت کرنے اور میں تب سے سوچ میں پڑی ہوں۔ یہ سارا سلسلہ کیا ہے، تمہارا انکار فرجاد کی بھائی سے تکرار پھر گھر بدری اور اب ملک سے فرار اگر یہ ساری کڑیاں جوڑیں تو کیا بنتا ہے سوچو ذرا۔" وہ اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"خیر رہنے دو، تم نے کیا سوچنا ہے تم میں سوچنے کی حس ہوتی تو تم یہاں نہ ہوتیں۔ میں نے سمجھ لی ہے ساری بات، مجھے شک ہی نہیں یقین ہے کہ وہ بے وقوف تم سے عشق کر بیٹھا ہے اور تم نے انجانے میں

اس کا دل توڑ دیا ہے اور تم نے یہ بہت برا کیا ہے۔" "شمن یقیناً" غضب کی قیافہ شناس تھی۔ کیسے کیسے اندازے لگا رہی تھی اور لاجونیک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی کتنی باخبر تھی وہ ایک۔ بس وہی بے خبر تھی۔

"وہ چلا جائے گا۔ مجھے بیچ منجدھار میں چھوڑ کر۔ اور اگر وہ چلا گیا تو؟ اور میرے خدا یہ کس بند گلی میں آ پھنسی ہوں میں جس کے چاروں اطراف کوئی راہ نہیں ہے۔ میں کس کو اپنا دکھ سناؤں۔ کس سے اپنا درد کہوں۔ کون ہمراز ہے میرا ایک تیرے سوا۔ یا اللہ کوئی راستہ سجھا دے۔ کیسی مشکل میں آ پڑی ہوں میں یہ میری زندگی کا کیسا موڑ ہے۔ لگتا ہے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔"

وہ کیسے بتائے اور کس کو بتائے کتنا مشکل تھا یہ سب۔ اس جفا جو نے جائز رشتہ بھی بنایا تو کس طور کہ وہ یقین کرتے ہوئے بھی بے یقین تھی اور اسے لگ رہا تھا کہ یہ سوچیں جلد ہی اسے مار دیں گی وہ ایک بار صرف ایک بار اس سے ملنا چاہتی تھی تاکہ اپنی الجھی تقدیر کا سرا ڈھونڈ سکے اور یہ کیسے ممکن تھا۔

"شمن ہاں شمن۔" وہ ہر راز اسے بتانے کو تیار ہوئی پر تب تک وہ کمرے سے جا چکی تھی۔ اک اور اذیت رسماں رت جگا اس کا منتظر تھا اور اگلے ہی دن باوجود امی کے روکنے کے وہ پڑھائی کو وجہ مجبوری بنا کر شہر چلی آئی۔

☆ ☆ ☆

یونہی دن سے رات اور رات سے دن ہو جاتا۔ سویرے سورج نکلتا شام کو مغرب کی گہری پنہائیوں میں اتر جاتا تب چاند اپنی جولائی پر آتا تارے گپ چپ باتیں کرتے، زمین اپنے مدار کے گرد ویسے ہی چکر کاٹ رہی تھی۔ جیسے پہلے اور انہی گھمن گھیریوں میں وہ آ گئی تھی۔ اطمینان، بے فکری، سکھ، چین سب زندگی سے عنقا ہو گئے تھے اک مسلسل بے کلی تھی جو ہر لحظہ نوکیلی سوئی کی مانند بائیں پہلو میں چبھتی رہتی۔ بلا تقصیر اک غیر متعین سزا اس کا نصیب ہو گئی تھی۔ وہ کہاں اپنا مقدمہ لے جاتی۔

دس دن ہو چکے تھے اسے آصفہ کے پاس آئے ان دنوں میں وہ خود تو کیا اس کی آواز بھی سنائی نہ دی تھی۔ وہ روز کالج سے آ کر بے قرار متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی کہ شاید کہیں کسی کونے میں بیٹھا ہو مگر بے سود بہت بار مجبور ہو کر اس کا سیل نمبر ملا ڈالا اور ہر بار اس کا سیل آف ملتا "یا اللہ کس سے کہوں کیا کروں۔" سوچتی ضرور اور کئی بار درد دل نوک زبان پر آتے آتے رہ جاتا۔ آصفہ کے پوچھنے پر بھی کہ "کیوں پریشان ہو۔ کیا بات ہے" وہ آئیں بائیں شائیں کر جاتی۔ اب انہیں کیا بتاتی کہ ان کا چہیتا اسے کس عذاب میں ڈال گیا ہے اور حوصلہ کر کے اک دفعہ اس کے متعلق پوچھ ہی بیٹھی تو انہوں نے اتنی کٹیلی نگاہوں سے دیکھا کہ اس کے اندر شگاف پڑ گئے۔

"خیر ہے تمہیں آج اس کی یاد کیسے آ گئی۔" بولیں تو لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ کام تھا مجھے۔" وہ ہکلا ہی گئی۔

"بس کرو۔ اب کیا کہنا ہے تم نے اس سے۔ جو تم نے پہلے کیا اس پر وہ سر اٹھانے کے لائق نہیں رہا سارے خاندان میں۔ کیا کیا خواب نہیں دیکھ بیٹھا تھا وہ۔ تم نے سب تہس نہس کر دیے۔ خوش ہو جاؤ جا رہا ہے وہ اس ملک سے۔" انہوں نے اطلاع دی۔ گویا خبر سچی تھی۔ وہ تڑپ ہی گئی۔

"کب جا رہا ہے وہ اور۔ اور آپ بھی مجھے ہی برا سمجھتی ہیں۔ وہ بھی مجھے ہی قصوروار سمجھتا ہے۔ میں نے کوئی دھوکہ نہیں کیا لیکن جو میرے ساتھ ہوا اور جو ہو رہا ہے وہ کسی کو نظر نہیں آتا۔"

"کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ۔ تمہیں کس نے کیا کہا ہے تم اپنے مقام پر ہو دربدر تو وہ بے چارا ہو رہا ہے نا۔ دل تو اس کا ٹوٹا ہے۔ ماں باپ، بہن بھائیوں سے دوری تو وہ کاٹے گا۔ پردیس کے دھکے تو وہ کھائے گا وہ

بھی صرف تمہاری وجہ سے۔ اسے یہاں کس چیز کی کمی ہے گھر، اپنا کاروبار، لیکن وہ تو اتنا ہرٹ ہوا ہے کہ سب چھوڑ چھاڑ خود کو سزا دینے پر تل گیا ہے۔" ان کی ساری ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں۔

"میری وجہ سے۔۔۔؟ اور میں جو اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوں آپ کو اس کی کتنی فکر ہے میرا کوئی احساس ہے؟ میرے ساتھ جو اس نے کیا آپ کو کیا پتا اس کو ایک بار بلائیں پھوپھو صرف ایک بار۔ وہ انتا ہی سچا ہے تو پھر مجھ سے چھپ کر کیوں بیٹھ گیا ہے سامنے کیوں نہیں آتا میرے۔ جو سزا اس نے مجھے دی ہے آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ میں بتاؤں اس نے کیا کیا ہے میرے ساتھ۔" آج صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ مزید ضبط کا یارا نہ تھا، ہمت ختم ہو چکی تھی، کراتے، روتے، سسکیوں، ہچکیوں کے درمیان رک رک کر وہ انہیں ہر بات بتاتی چلی گئی۔

سجاد کی بکواس، بے غیرتی، اپنی مجبوری، بے بس فرجاد کا ستم، بے حسی، کچھ بھی نہ چھپایا اس نے، سب ورق ورق کھول کر بتا دیا۔ آصفہ حق دق انگشت بدنداں تھیں۔ یہ کیا سن رہی تھیں ان کی سماعتیں، وہ بھی تو اسے ہی قصوروار سمجھی تھیں۔

"ہائے لاج میری بچی، اتنا کچھ سہہ گئیں تم اپنی جان پر اور کسی سے کچھ نہ کہا۔ اتنا حوصلہ کہاں سے آیا تم میں اور وہ فرجاد کیا ہو گیا اسے۔ وہ ایسا بھی کر سکتا ہے وہ اتنی انتہا تک چلا گیا زبردستی نکاح، پھر نکاح نامہ بھی جلا دیا اس نے۔ کیا پاگل ہو گیا تھا ہائے میرے خدایا۔ مجھے یقین نہیں آرہا، یہ کیا ہوا اور اب آگے کیا ہو گا۔" وہ سر پکڑے بیٹھی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اور یہ وہی کمرہ تھا۔ فرش و دیواریں پختہ ہو چکی تھیں۔ بس پینٹ کی کمی تھی سیمنٹ کی سیلن کی بو ابھی بھی کمرے میں تھی۔ ایک سنگل بیڈ، صوفہ، الماری اور رائٹنگ ٹیبل پر رکھا کمپیوٹر۔ ڈھیروں کتابیں، فائلیں۔ اک آرائشی گلدان پھولوں سے سجا کمرے میں رونق بکھیر رہا تھا اس ٹیبل کی سائیڈ میں رکھے دو فل سائز سوٹ کیس کسی کے متوقع سفر کی نشاندہی کر رہے تھے۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی کیا کچھ نہ یاد آگیا تھا۔ وہ دن اس کے بعد ایک ایک لمحہ ایک ایک پل کیسی عجیب تقدیر لے کر آئی تھی وہ۔ جیسے کوئی جال میں آیا بے بس پرندہ۔ جیسے کوئی ملزم کسی اور کے گناہ کی بھینٹ چڑھ جائے۔

آصفہ نے اس سے ساری داستان سن کر فوراً شارٹ نوٹس پر رقیہ پھوپھو دلاور پھوپھا اور فرجاد کو بلایا تھا اور ہر بات کھول کر ان کے سامنے رکھ دی تھی۔ وہ دونوں تو متحیر رہ گئے تھے۔ پھوپھو کو تو اپنے لاڈلے، فرماں بردار سعادت مند بیٹے کی اس حرکت پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ پھوپھا الگ آگ بگولا ہو چکے تھے۔ اس سے باز پرس شروع کی گئی اور وہ تو تمام بیان سن کر پہلے ہی سر جھکا چکا تھا جس غضب میں آکر وہ اتنا بڑا قدم اٹھا چکا تھا اس کے پیچھے تو کہانی ہی اور نکلی۔ اس کا قصور کتنا تھا کہ بہن کو بچاتے بچاتے وہ خود کو رول بیٹھی تھی۔ وہ کیا کیا نہ الزام لگا چکا تھا اس پر جبکہ وہ چیختی رہی تھی روتی رہی تھی شاید کہ وہ ذرا تحمل سے کام لے لیتا تو۔۔۔ اس لیے تو غصے کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ بھی تو اس غصے میں آکر اب کیا کر چکا تھا۔

پھوپھا نے تو پھر جو اس کے لتے لیے وہ اک الگ داستان ہے۔ بس جوتا اتارنے کی کسر رہ گئی تھی ورنہ اس کی عزت افزائی کرنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں۔ چھوڑی تھی۔

اب حالات یکسر مختلف تھے۔ پھوپھو کو ایک بار پھر بھائی کے دروازے پر آنا پڑا تھا۔ آخر یہ بات چھپانے والی تو نہ تھی جو بہادری ان کا لخت جگر دکھا چکا تھا اس نے انہیں پشیمانی کے گہرے گڑھے میں دھکیل دیا تھا مارے شرمندگی کے ان کی پیشانی عرق آلود تھی جس لڑکھڑاتی زبان سے بھائی کو صورت حال سے آگاہ کیا وہ جانتی تھیں حالانکہ آصفہ، عقیل، فرخ، اشفاق سارے بہن بھائی تھے ان کا ساتھ دینے کو اور سب نے بھرپور ساتھ دیا بھی۔

ابا جی جو ساری بات سن کر اس درجہ مشتعل ہوئے تھے کہ لگتا تھا ان دونوں کو قتل ہی کر دیں گے، سب نے بمشکل سمجھا بجھا کر انہیں ٹھنڈا کیا بند کمرے میں کوئی چار گھنٹے میٹنگ چلی جو گھر کی بات کو گھر میں ہی رکھتے ہوئے اس فیصلے پر پہنچی کہ ابا جی کو اس نکاح کو ماننے کے ساتھ فوری رخصتی پر بھی رضامند کر لیا گیا۔

چونکہ فرجاد تو ملک سے باہر جا رہا تھا اس لیے بقایا خاندان کے لوگوں کو یہی توجیہہ پیش کی گئی کہ اس لیے آناً فاناً یہ شادی کی جا رہی ہے۔ ساری چاچیاں مامیاں حیران تھیں۔ اتنی اچانک اور یوں کہ اس میٹنگ میں رقیہ، آصفہ اور امی کے علاوہ کوئی خاتون شامل نہیں تھیں اور یہ راز سب سے مخفی رکھا گیا تھا۔ جس تو یہ خبر سنتے ہی گرتی پڑتی آئی تھی وہ اپنے اندازوں کی درستی پر بے انتہا مسرور تھی۔

اور یہ اطلاع بھی ہمہ وقت مواصلاتی رابطوں کے ایکٹو ہونے کے باعث سجاد اور تاجور کو بھی فوری دی جا چکی تھی۔ امی ابا کو تو کسی بات کو ہوش ہی نہ رہا تھا یہ کوئیک سروس تو رفعت چچی نے دکھائی تھی جو خاطر خواہ اثر انداز بھی ہوئی۔ مرے پر سو درے اس کو کہتے ہیں جو اس وقت ہوا۔ سجاد جس کی رخنہ اندازی نے پہلے ہی اتنا فساد پیدا کیا تھا وہ اب بھی نہ مڑا اپنے قول کا پکا وہ لاجورد کو لیے آپہنچا تھا پھر تو اس نے وہ شور و غل ڈالا وہ جہالت کے مظاہرے کیے کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ پہلے تو لاجورد نے اس کا پردہ رکھ کر سب کی نظروں میں خود کو برا بنوا لیا تھا۔ آج اس نے خود ہی وہ پردہ چاک کر کے سب پر واضح کر دیا تھا کہ پہلے بھی انکار کی وجہ وہی تھا سب ہی حالت افسوس میں تھے۔ آخر کار فرحان چچا کو ہی فیصلہ کن انداز اپنانا پڑا۔

"ٹھیک ہے، تمہیں یہ شادی منظور نہیں تو نہ سہی۔ اب کیا کریں کہ ہم نکاح پڑھوا چکے ہیں اب کچھ نہیں ہو سکتا ویسے بھی تم کوئی اعتراض کرنے کے حقدار نہیں ہو لیکن اگر تمہیں کوئی پرخاش ہے اور تم تاجور کو چھوڑنا چاہتے ہو تو بے شک چھوڑ جاؤ۔ ہاں جاتے جاتے اپنی بہن رفعت اور اس کے چھ بچوں کی پوٹلی باندھ کے لے جانا۔"

"میں کیوں لے کر جاؤں بچے۔ انہیں رکھو تم اپنے پاس، میں رفعت کو لے کر جا رہا ہوں۔ چل باجی رفعت اٹھ جا۔ بڑی ہو گئی بیستی۔" وہ بھی اکڑ کا پکا تھا رفعت کو آگے دھکیلا۔

"ہائے ہائے۔ پاگل ہوا ہے، میں کیوں چھوڑ کے جاؤں اپنے بچے، میں نے نہیں جانا تیرے ساتھ یہ تیرا معاملہ ہے تو خود نبیڑ (نبٹ)۔" جب خود پر بات آنے لگی تو رفعت جیسے کم فہم عورت کو بھی عقل کا جھٹکا لگا وہ بچے چھوڑ کر بھائی کے ساتھ چل پڑی تو بات یقیناً بہت دور تک چلی جاتی اور بہن کو یوں سب کے درمیان پینترا بدلتے دیکھ کر وہ سخت متحیر ہوا ہمیشہ شمن تو یہ خبر سنتے ہی گرتی پڑتی آئی تھی وہ اپنے اندازوں کی درستی پر بے انتہا مسرور تھی۔

اور یہ اطلاع بھی ہمہ وقت مواصلاتی رابطوں کے ایکٹو ہونے کے باعث سجاد اور تاجور کو بھی فوری دی جا چکی تھی۔ امی ابا کو تو کسی بات کو ہوش ہی نہ رہا تھا یہ کوئیک سروس تو رفعت چچی نے دکھائی تھی جو خاطر خواہ اثر انداز بھی ہوئی۔ مرے پر سو درے اس کو کہتے ہیں جو اس وقت ہوا۔ سجاد جس کی رخنہ اندازی نے پہلے ہی اتنا فساد پیدا کیا تھا وہ اب بھی نہ مڑا اپنے قول کا پکا وہ لاجورد کو لیے آپہنچا تھا پھر تو اس نے وہ شور و غل ڈالا وہ جہالت کے مظاہرے کیے کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ پہلے تو لاجورد نے اس کا پردہ رکھ کر سب کی نظروں میں خود کو برا بنوا لیا تھا۔ آج اس نے خود ہی وہ پردہ چاک کر کے سب پر واضح کر دیا تھا کہ پہلے بھی انکار کی وجہ وہی تھا سب ہی حالت افسوس میں تھے۔ آخر کار فرحان چچا کو ہی فیصلہ کن انداز اپنانا پڑا۔

"ٹھیک ہے، تمہیں یہ شادی منظور نہیں تو نہ سہی۔ اب کیا کریں کہ ہم نکاح پڑھوا چکے ہیں اب کچھ نہیں ہو سکتا ویسے بھی تم کوئی اعتراض کرنے کے

☆ ☆ ☆

اور رقیہ پھوپھو نے تو اسے خوب سمجھایا تھا۔

"لاجورد بیٹا۔ جو ہوا جیسے ہوا یہ سب تمہارا اپنا مقدر تھا اسی طرح ملنا تھا تم دونوں نے تم کو پچھلی باتوں کا غم نہ کرنا باپ کے غصے کو بھی دل سے نہ لگانا وہ اپنی جگہ حق پر ہے اور یاد رکھنا کچھ وقت گزرے گا تو یہ غصہ اتر بھی جائے گا لڑکیوں کا اصل گھر اس کا سسرال ہی ہوتا ہے اور تم اب خیر سے اپنے گھر آگئی ہو گھبرانا مت ہم ہیں یہاں تمہارے ماں باپ' ہر بات کی تلافی کر دیں گے تم کل ہماری خواہش تھیں تو آج ہمارے لیے خوشی' فرجاد سے گزری باتیں دہرانا نہ کوئی ذکر چھیڑنا وہ بہت شرمندہ ہے تم سے جوش میں آکر سب کر تو بیٹھا پھر خود بھی بڑا پریشان رہا ہے۔ اب تم دونوں اپنی نئی زندگی کا آغاز خوشی خوشی کرنا اللہ تعالیٰ تم دونوں کو اپنی رحمتوں' نعمتوں سے نوازے بہت سی خوشیاں دے بس میری بچی اپنے آپ کو سنبھالو بھول جاؤ سب رونے سے کچھ حاصل نہیں اب میں تمہیں روتے نہ دیکھوں۔"

اور کیا واقعی وہ سب بھول سکتی تھی؟ کیا اتنا ہی آسان تھا یہ؟ کہنے والے تو آسانی سے کہہ دیتے ہیں پر جو چکی کے دوپاٹوں میں پسا ہو اس اذیت کو صرف وہی جان سکتا ہے نا وہ بھی ریزہ ریزہ ہوئی تھی آخر کچھ وقت تو درکار تھا اپنی بکھری ذات کے ٹکڑے چننے میں۔ فرجاد نے تو انتقاماً" نکاح کیا تھا محبت میں تو نہیں اور یہی دکھ کسی طور کم نہ ہو رہا تھا کس قدر ارزاں کر دیا تھا اسے اس کی بھی تو انا تھی مان تھا لیکن کیا خیال کیا تھا اس کے احساسات کا؟

وہ کمرے میں آیا تھا بہت کچھ سوچ کر بڑے لفظوں کی مالا جوڑ کر وہ انجانے میں بہت ٹھیس پہنچا چکا تھا اسے اب اس درد کا درماں کرنا تھا پہلا قدم رکھتے ہی اس نے دیکھ لیا تھا کہ سارا کمرہ تلپٹ تھا بیڈ کا تکیہ صوفے پر تو کشن فرش پر چادر کہیں تو اس کا فیورٹ گلدان عین وسط میں کرچی کرچی ہوا پڑا تھا رائٹنگ ٹیبل پر دھری کتابیں فائلیں ادھر ادھر اپنی ناقدری پر ماتم کناں' لگتا تھا خوب ہی بھڑاس نکالی گئی ہے۔

"اب اپنی خیر منا بیٹا!" اک گہری سانس بھرتا وہ آگے بڑھا وہ نہ بیڈ پر تھی نہ صوفے پر واش روم کا دروازہ بھی چوپٹ تھا تو پھر کہاں' فرجاد کی نظروں نے بے چینی سے ادھر ادھر تلاشا وہ اک کونے میں دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے ان پر سر رکھے اکڑوں بیٹھی نظر آئی۔

اور اس کے قدموں کی آہٹ پر اس نے سر اٹھایا تھا شدت گریہ سے سرخ انگارہ آنکھیں پھولے پپوٹے ستا چہرہ الجھی چپکی لٹوں میں گھرا تھا کتنے شکوے تیر رہے تھے اس کے آنسوؤں میں' فرجاد کا دل کٹ کر رہ گیا وہ دوزانو اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

"لاج۔ ایسے کیوں بیٹھی ہو۔ اٹھو یہاں سے۔" ہاتھ تھام کر اٹھانا چاہا جسے اس نے بری طرح جھٹک دیا۔

"لاج پلیز۔" وہ بالکل برا نہیں مانا تھا اک اور کوشش کی اور وہ پھنکاری تھی۔

"ہاتھ مت لگانا مجھے میں بہت بری طرح پیش آؤں گی سمجھے۔"

"او کے۔ او کے نہیں لگاتا ہاتھ۔ تم اٹھو بیڈ پر چلی جاؤ صوفے پر بیٹھ جاؤ لیکن ایسے مت بیٹھو مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"

"کیا۔ کیا کہا تمہیں؟ تمہیں تکلیف ہو رہی ہے کسی کی تکلیف پر تمہیں تکلیف بھی ہو سکتی ہے۔ بہت ہی تعجب خیز بات ہے یہ' تم جیسے پتھر انسان کو کسی پر ترس بھی آسکتا ہے۔ ہاؤ اسٹرینج۔" وہ تڑپ کر کھڑی ہوئی تیر کی طرح چبھی تھی اس کی ہمدردی فرجاد کا سر جھک گیا اب وہ چاہے کتنے ہی پھاہے کیوں نہ رکھ دیتا اس کے زخم فوری بھرنے والے نہ تھے آج اس کی باری تھی اب وہ جتنے چاہے طنز کرتی اسے سب سہنے تھے۔

"سوری لاج۔ دیکھو میں۔"

"شٹ اپ۔ آئی سے جسٹ شٹ اپ' سوری تمہارے ایک سوری کہہ دینے سے میری اس تمام اذیت کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ یہی یہی منحوس کمرہ تھا جس میں تم نے زبردستی اپنے نام کا طوق میرے گلے میں ڈالا تھا۔ تمہارے نزدیک میں عیار تھی' مکار تھی' دغاباز' دھوکے باز اور جانے کیا کیا تم نے میری ایک نہیں سنی تھی' میری کوئی آہ و بکا' کوئی فریاد' کوئی منت تمہارے دل میں رحم نہیں ڈال سکی تھی جابر بن گئے تھے تم' میرے کسی احساس' میرے جذبے میری انا' بھرم کسی بات کا خیال نہیں آیا تھا تمہیں تمہارے سر پر انتقام سوار تھا۔ تم نے مجھے کس کس طرح ہرٹ کیا ہے تم کیا جانو تمہاری انا کا علم تو اونچا ہو گیا تمہاری خواہش تو پوری ہو گئی تمہاری مردانگی کو تو سکون آگیا اب جشن مناؤ اپنی جرات کا اور مجھے اپنے بے مول ہونے کا ماتم کرنے سے مت روکو میں جہاں ہوں جیسے ہوں میری فکر آئندہ مت کرنا۔"

"میں مانتا ہوں کہ تمہیں بہت غصہ ہے اور غصہ کرنے کا حق تم رکھتی ہو مگر میری بات۔" اس نے ذرا توقف کیا تھا اور فرجاد نے پھر سے صفائی دینے کی کوشش کی۔

"پلیز۔ میں نے کہا نا کچھ مت کہو۔ تمہاری کوئی وضاحت' کوئی تاویل' کوئی دلیل میرے دل میں گڑا نیزہ نہیں نکال سکتی۔ تمام رت جگے سارے مصائب و آرام تو میری قسمت میں لکھے گئے ہیں تمہیں کیا فرق پڑا تم تو اپنے گھر میں ہو۔ تمہارے ماں باپ بہن بھائی سب تمہارے ہیں۔ دربدر تو میں ہوئی ہوں باپ کے دل سے تو میں اتری ہوں۔ خالی ہاتھ خالی دامن' کچھ بھی تو نہیں رہ گیا میرے پاس جہاں تم نے مجھ پر اتنی عنایتیں کی ہیں وہاں ایک اور کر دو اگر تم اپنے کمرے کے اس کونے میں برداشت کر سکتے ہو تو ٹھیک ورنہ میں باہر چلی جاتی ہوں۔" وہ بے گانگی اور خود اذیتی کی حد پر تھی۔ فرجاد چند ثانیے اسے دیکھتا رہا اس کے چہرے پر پتھروں کی سی سختی تھی اور کوئی شک نہیں تھا کہ وہ اس کی نہ مانتا تو وہ اپنے الفاظ پر عمل نہ کرتی اسے یہی بہتر لگا کہ کچھ دیر اسے اکیلا چھوڑ دے وہ چپ چاپ دروازے کی طرف بڑھ گیا پھر کچھ سوچ کر رکا۔

"یہ کمرہ اب میرا نہیں آج سے تمہارا ہے۔ میں صبح پانچ بجے کی فلائٹ سے یوکے جا رہا ہوں تین سال کے لیے' زندگی رہی تو ضرور ملاقات ہوگی اپنا خیال رکھنا گڈ نائٹ۔" اور وہ اس بات پر چونکی ضرور تھی مگر اسے جواب دیا نہ روکا نہ مڑ کر دیکھا وہ بغیر آواز کے دروازہ بند کیے کمرے سے جا چکا تھا۔ وہ تنہا تھی۔ اور یہ تنہائی اس نے اپنے ہاتھوں خریدی تھی جس پر اسے فی الوقت کوئی ملال بھی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

کھلی کھڑکی سے آتی سورج کی تیز روشنی بتا رہی تھی کہ کافی دن چڑھ آیا ہے وہ کسی تیز آواز پر جاگی تھی حواس یکجا ہوتے ہی پہلا احساس نرم گرم بستر کا ہوا تھا وہ یکدم اٹھ بیٹھی وہ تو ادھر تھی اس کونے میں بیٹھے بیٹھے وہیں آنکھ لگ گئی تھی پھر وہ یہاں کیسے۔ نظریں بے اختیار ٹیبل کی سائڈ تک گئیں جگہ خالی تھی کمرہ بھی بہتر حالت میں تھا ہر چیز اپنے ٹھکانے پر گویا رات کے کسی پہر آنے والے نے ہر چیز سمیٹی تھی۔ اسے عجیب سا احساس ہوا۔

وہ اتنی ہی بے ہوش سو گئی تھی خود کو ملامت کی۔ نظریں بھٹک بھٹک کر خالی جگہ پر جانے لگیں۔

"تو کیا وہ چلا گیا؟" جانے کس سے سوال کیا۔

"تو کیا وہ رک جاتا۔" دل کی خفگی بھری آواز آئی۔

"تم نے کوئی گنجائش چھوڑی ہی کہاں تھی اس نے جانا ہی تھا۔"

"اچھا ہے چلا گیا یہاں رہتا تو اسے دیکھ دیکھ کر زخم ہی ہرے رہتے۔" دماغ نے دلاسا دیا۔ وہ اٹھ کر واش روم میں گھس گئی بڑی دیر تک سلگتی آنکھوں پر چھپاکے مارتی رہی مگر لگتا تھا جلن ختم ہی نہ ہوگی کتنی راتوں سے روتی آنکھیں تھیں اور ابھی تو جانے اور کتنا رونا تھا۔ دل کے اک کونے پر کوئی احساس برابر چٹکیاں کاٹ رہا تھا وہ آئینے میں نظر آتے اپنے عکس سے نظریں چراتی باہر نکل آئی۔

"یہ کمرہ میرا نہیں آج سے تمہارا ہے۔ میں یوکے جا رہا ہوں۔ تین سال کے لیے۔"

"تین سال کے لیے اف۔" کمرے کی ایک ایک

چیز اسے مطلع کر رہی تھی۔ رات تو اس نے دھیان ہی نہیں تھا دیا مگر اب احساس ہوا تھا کہ اس کی سزا معاف نہیں ہوئی پہلے وہ دار پر لٹکی تھی جان کنی کا عالم تھا ہر پل کا دھڑکا' موت سامنے رقص کناں تھی پھر قدرت نے رحم کھا کر سزا میں ردوبدل کر دی وہ دار سے تو اتار لی گئی۔ مگر قید ہو گئی ہے رہائی تو پھر نہ ملی تین سال کوئی کم عرصہ تو نہیں۔

"یہ کیسی زندگی ہے میری۔ سکون کہاں ہے میرے لیے۔" وہ سر پکڑے بیٹھی تھی۔ کوئی آہستگی سے دروازے کا ہینڈل گھما کر اندر آیا۔

"لاج آپی آر یو او کے۔" وہ نمرہ تھی۔ جو اسے یوں بیٹھے دیکھ کر پریشان ہو اٹھی اس نے سر اٹھایا آنسو تو اس کے آوارہ ہو گئے تھے پل میں ہی پلکوں کی باڑھ پھلانگ جاتے اسے پتا بھی نہ لگتا۔ نمرہ نے بڑے پیار سے اس کے آنسو سمیٹے۔

"نہ روئیں آپی۔ فرجاد بھائی بہت برے ہیں۔ ہم نے بھی بہت روکا تھا مگر وہ نہیں رکے۔ چلے گئے' میں تو خود ابھی سے اداس ہو گئی ہوں۔ تین سال کیسے گزریں گے۔" وہ پوچھ رہی تھی اور یہی سوال تو اسے پریشان کر گیا تھا۔

اسے نمرہ سے پورا اتفاق تھا۔ دوپٹے سے چہرہ پونچھتی وہ اٹھی وہ تو چلا گیا تھا باقی سب کا سامنا تو کرنا تھا۔ نمرہ کے ساتھ وہ لاؤنج میں آئی سامنے ہی بچھے تخت پر رقیہ پھوپھو بیٹھی تھیں جن کے چہرے سے ظاہر تھا بہت دیر سے رو رہی ہیں پاس ہی کرسی پر کسی سوچ میں گم آصفہ براجمان تھیں اس نے پاس جا کر سلام کیا۔ آصفہ چونکیں۔ رقیہ نے سر ہلا کر جواب دیا اور پلو سے آنکھیں صاف کرنے لگیں۔

"بیٹھ جاؤ۔ چائے لاؤں تمہارے لیے" آصفہ نے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"صرف چائے کیوں۔ اچھا سا ناشتا لاؤ میری بیٹی کے لیے زارا' حمرہ بھابھی اٹھ گئی ہے تمہاری۔ ناشتا لے آؤ اب۔" آصفہ سے کہہ کر رقیہ پھوپھو نے کچن کی جانب آواز لگائی۔

"ابھی آئی امی۔ بس ایک منٹ۔" اندر سے حمرہ کی آواز آئی۔

"دونوں صبح سے لگی ہوئی ہیں پتا نہیں کیا کیا بنا رہی ہیں تمہارے لیے۔" انہوں نے اسے بتایا۔ وہ حیران ہوئی ———— وہ تو سمجھ رہی تھی اس کے حصے کی ساری چاہتیں ختم ہو چکی ہیں۔

"میں دیکھتی ہوں کیا کر رہی ہیں یہ۔" آصفہ اٹھ گئیں نمرہ بھی ان کا ہاتھ پکڑے ساتھ چل دی پھوپھو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

"میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا بیٹا۔ مگر تم نے میری بات نہیں سمجھی ہم سب نے تو اسے بہتیرا روکا پر وہ نہیں رکا تم روکتیں ایک بار ہی کہتیں وہ کبھی نہ جاتا اب جانے یہ آنکھیں کب دیکھیں گی اسے۔ تین سال پورے تین سال تھوڑے دن نہیں ہوتے۔" وہ ماں تھیں ان کا کلیجہ شق تھا۔

وہ پھر سے رو رہی تھیں۔

"اوہو اب بس بھی کریں امی۔ جب سے بھائی گئے ہیں تب سے آپ رو رہی ہیں اس طرح تو آپ خود کو بیمار کر لیں گی۔ ان کی مسز کو دیکھیں کتنا حوصلہ ہے ان میں۔ کل شادی ہوئی ہے اور آج میاں صاحب باہر جا چکے ہیں وہ کتنے سکون سے ہیں آپ بھی ایسی بہادر بنیں اور آ جائیں اور دیکھیں کیا کتنے مزے دار آئٹم تیار کیے ہیں ہم نے' کھائیں اور داد دیں۔" حمرہ ٹرالی دھکیلتی آ رہی تھی۔

"اور بھابھی جی۔ ویلکم ٹو دور ہوم۔ یہ سب ہم نے آپ کے اعزاز میں بنایا ہے۔ رات تو ہم آپ کو اچھی طرح خوش آمدید بھی نہیں کہہ سکے اتنا اچانک ہوا یہ سب' بہرحال جو ہوا اچھا ہوا آپ ہمارے پاس آ گئیں اب ہمیں بھائی کے باہر جانے کی اداسی بھی نہیں رہے گی۔ ہم ان کی جگہ آپ کو دیکھ کر خوش ہو لیا کریں گے اور ابھی تو ہم نے اور بھی مزے کرنے ہیں۔ ناشتے کے بعد ہم شاپنگ پر جائیں گے اور آپ کے لیے ارجنٹ بری خرید لیں گے وہ بھی آپ کی پسند سے۔"

زارا نے بڑے فریش موڈ میں اسے سارا پروگرام

بتایا۔

"اور میں نے فن لینڈ بھی جانا ہے۔" نمرہ کی فرمائش آئی تھی۔

"ڈن۔۔۔ فن لینڈ بھی چلیں گے۔" وہ سب کتنے خوش تھے یونہی خوش گپیوں کے دوران ناشتا ہوا۔

آصفہ نے جانے کے لیے رخت سفر باندھا تو وہ بھی تیار ہو بیٹھی۔

"ارے بھئی یہ کیا بات ہے بھابھی جی۔ آپ قطعاً نہیں جا سکتیں ہم آپ کے بغیر اداس ہو جائیں گے۔" زارا کو اختلاف ہوا تھا۔

"بہت دن ہو گئے ہیں' میں ایک لفظ نہیں پڑھ سکی۔ میرے فائنل ایگزام ہونے والے ہیں اور میں نے فیل ہرگز نہیں ہونا ویسے بھی میری کتابیں بھی ادھر ہی ہیں۔" اس نے مجبوری بتائی۔

"کوئی بات نہیں ہم کتابیں منگوا لیتے ہیں' آپ یہاں رہ کر بھی تیاری کر سکتی ہیں۔" ادھر سے حل پیش کیا گیا اس نے لاچاری سے آصفہ کو دیکھا جو خود بھی اس کی حالت دیکھ رہی تھیں۔ وہ ہر وقت بولائی بولائی سے رہتی تھی۔ کسی بات میں دل نہ لگتا پھوپھو کوئی کام بھی نہ کرنے دیتیں۔ فارغ سارا دن وہ الجھی سلجھی سی سوچوں میں گھری رہتی۔

"تھوڑے دنوں کی بات ہے ابھی جانے دو' دھیان سے امتحان دے لے تو پھر اس نے یہیں آ کر رہنا ہے تم سب کے ساتھ۔" آصفہ کی کمک آئی۔

"ہاں۔ ہاں ٹھیک ہے۔ جانے دو بیٹا" میں بھی دیکھ رہی ہوں میری بیٹی کا ابھی ہمارے ساتھ دل نہیں لگا آہستہ آہستہ ہی عادت ہو گی اسے ہماری' رقیہ پھوپھو نے بھی اپنا تجزیہ بیان کیا وہ تائید کر سکی نہ تردید پر سر جھکا کر رہ گئی۔

"اگر فرجاد بھائی یہاں رہتے تو پھر میں دیکھتی کیسے بھابھی جی جانے کا نام لیتی ہیں امتحان و متحان سب بھول جاتے۔" حمرہ ہنستے ہوئے بولی جبکہ اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی اور یونہی وہ سب کے درمیان سے اٹھ گئی۔ اس کی خاموشی کو سب نے ہی محسوس کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

سارا دن وہ ہوتی اور اس کی کتابیں حتی الوسع وہ ادھر ادھر کی سوچوں پر دھیان نہ دیتی۔ کیا حاصل تھا دکھ دیتی سوچیں پالنے کا۔

ابا جی نے خبر نہیں لی۔ اس کے امتحان ہونے کو تھے اور امی نے کوئی اسپیشل چیز بنا کر نہیں بھیجی نہ چنے کی دال کا حلوہ نہ گریاں بادام۔ کوئی خیال ہی نہیں نہ کسی نے پوچھا کہ کس حال میں ہو۔ بس کبھی ثمن تو کبھی تاجور کا فون آ جاتا جو دو چار منٹ کی بات کر کے خیریت پوچھ لیتیں۔ ادھر کی بتا دیتیں اور اس کا دل بہلانے کو جو وہ جھوٹ سچ کہتی اس کی حقیقت بھی اس پر کھل چکی تھی۔ ابا جی اس سے ناراض ہو چکے تھے امی مجبور تھیں جبکہ اس کا قصور کتنا تھا؟ اس کی کیا غلطی تھی؟ پھر اسے بھگتان کیوں بھرنا پڑ رہا تھا؟ ٹھیک ہے ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔

وہ لاپروا ہونے کی کوشش کرتی۔ روز خود کو باور کرواتی کہ اگر کسی کو اس کی فکر نہیں تو وہ بھی کسی کی پروا نہیں کرے گی حتیٰ کہ ناچاہتے ہوئے بھی اس شخص کی یاد بھی ہر دن آتی جس کی وجہ سے وہ اس حال کو پہنچی ہوئی تھی۔ رقیہ پھوپھو' حمرہ باقاعدگی سے فون کر کے اس کی خیریت پوچھتیں۔

ایسے ہی الجھے سلجھے دنوں میں جیسے تیسے تیاری کر کے اس نے ایگزام دیے اس روز وہ آخری پیپر دے کر گھر آئی تو امی اور تاجور کو دیکھ کر خود پر چڑھایا لاپروائی کا جھوٹا خول تڑخ گیا تمام ضبط جاتا رہا ماں کے گلے لگ کر اس طرح روئی کہ ان کا ملال بھی ڈھل گیا۔

"میں نے کیا کیا ہے امی۔ میں نے تو کوئی ایسی غلطی نہیں کی پھر سزا مجھے ہی کیوں آپ نے بھی نہیں پوچھا میں مر جاؤں گی امی مجھے معاف کر دیں۔ آپ تو جانتی ہیں ـــ اپنی بیٹی کو پھر بھی۔ پھر بھی آپ کا یہ رویہ۔" وہ بولتی گئی روتی گئی۔ ہچکیاں بندھ گئیں امی اس کے آنسو پونچھ رہی تھیں بار بار منہ چومتیں گلے لگاتیں۔

"بس کر۔ بس کر میری بچی مجھے پتا ہے بس ہماری تقدیر کے ہی الٹ پھیر ہیں سارے۔ جانے تم دونوں کے نصیب ایسے کیوں ہوئے۔ میں تیرے دکھ کو سمجھتی ہوں پر کیا کرتی میری جان میں مجبور تھی تیرے باپ کو بڑا غصہ ہے۔ تم جس طرح رخصت ہوئیں اور جیسے تاج گھر آئی اس دکھ نے انہیں بیمار کر ڈالا کئی دن بستر سے ہی نہ اٹھ سکے۔ میں نے بھی ڈر کے مارے کوئی بات نہ چھیڑی تمہاری فکر تو بڑی ہے پر کیا کرتی تاج تیری خیر خبر لے لیتی تھی کچھ بھی بتا دیتی تو دل کو تسلی ہو جاتی تھی۔ میں تو اپنی اولاد کے لیے دن رات دعائیں کرتی ہوں پر اللہ کی مصلحتیں کیا ہیں وہی جانے اب اسے ہی دیکھ لو۔" امی نے تاجور کی طرف اشارہ کیا۔

"اللہ نے اولاد کی خوشخبری بھی دی ہے تو کن دنوں جب شوہر میکے چھوڑ گیا ہے۔"

"ہیں سچ۔" لاجورد کو بے اندازہ خوشی ہوئی رونا بھول کر اسے دیکھنے لگی۔ لگتا تھا خوب کیئر ہو رہی ہے نکھرا نکھرا رنگ روپ بھرا بھرا سا ڈول جسم وہ تو سرتاپا پیر بدلی ہوئی تھی بے ساختہ اسے سجاد کا وہ سفاکانہ لہجہ یاد آیا جب اس نے انتہائی بے دردی سے کہا کہ۔

"مجھے لگتا ہے میں کبھی باپ بننے کی خوشی نہیں دیکھ سکتا۔"

اور وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"سجاد بھائی کو بتایا۔"

"نہیں۔ میں نے تو نہیں بتایا۔ میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہاں اسے علم ضرور ہو سکتا ہے کیونکہ جب رفعت چچی کو پتا ہے تو پھر سمجھ لو سارے زمانے کو خبر ہے۔ میری ساس دو تین بار بیٹی سے ملنے آئی ہیں مجھ سے نہیں آئیں تو جب ان لوگوں کو میری پروا نہیں تو مجھے کیا ضرورت ہے ڈھنڈورا پیٹنے کی۔ اللہ کا شکر ہے اس نے مجھ پر اپنا کرم کیا۔ مجھے خوشی دی ورنہ تو لوگوں نے بہت باتیں بنا رکھی تھیں۔" تاجور پر سکون تھی اطمینان اس کے روم روم سے پھوٹ رہا تھا۔

"بالکل۔ وہ سب کی بگڑی بنانے والا ہے۔ اچھا کیا سجاد کو نہیں بتایا اسے احساس ہونے دو خود سے رابطہ مت کرنا ورنہ اس جیسے مرد اس بات کو طعنہ بنا دیتے ہیں آئے گا وہ تمہارے پاس ہی آخر اولاد کون چھوڑتا ہے۔" آصفہ بولیں۔

"سچ کہہ رہی ہیں اور سجاد کو تو بچے اچھے ہی بہت لگتے ہیں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اپنی اولاد سے دور رہے آئے گا وہ میرے پاس ہی۔" تاجور کو یقین تھا۔

☆ ☆ ☆

اور وہ شدید خواہش رکھنے کی باوجود امی کے ساتھ گاؤں جانے کے بجائے گھر آ گئی تھی وہی گھر جہاں اس کا تمام سکون اور اطمینان لوٹا گیا تھا پھوپھو نے امی کو صاف جواب دیا تھا جو کہ ظاہر ہے اسے بھی برا لگا تھا اس لیے تو اس کا منہ پھول کر کپا ہو گیا تھا اور اس کی یہی روتی صورت دیکھ کر انہوں نے بہت پیار سے اسے خود سے لپٹا کر اپنے انکار کا جواز پیش کیا تھا۔

"کتنے مہینے ہو گئے تمہاری شادی کو؟ اس عرصے میں نہ تمہاری ماں نے پوچھا نہ باپ نے' اب کس برتے پر میں تمہیں جانے دوں۔ وہ اچھے طریقے سے یہاں آئیں تمہیں لے کر جائیں پھر تو بات بنتی ہے خدانخواستہ تم نے بھاگ کر شادی نہیں کی۔ نکاح جس طرح بھی ہوا رخصت تو تم اپنے باپ کے گھر سے ہی ہوئی ہو اور اصل حقیقت کو جب ہم نے دنیا والوں سے چھپایا تو پھر ان لوگوں کو اس طرح کا رویہ تمہارے ساتھ رکھنا روا نہیں تھا۔ انہوں نے تو خود دنیا کو چہ میگوئیاں کرنے کا موقع فراہم کیا ہے' کیا لوگ تمہاری بابت پوچھتے نہ ہوں گے ان سے' انہیں چاہیے تھا تمہاری رخصتی کے بعد ایک بار تو آ کر تمہیں لے جاتے چاہے رسم دنیا نبھانے کو ہی سہی لیکن وہ تو یوں لاپرواہ ہوئے کہ مت پوچھو۔

میں تو بھابھی کے سامنے اس لیے زیادہ نہیں بول سکی کہ ان سے شرمندہ ہوں سارا گناہ تو میری اپنی اولاد کا ہے' بڑے ہی ارمان تھے میرے بہت سے شوق میں بھی انتہائی کم نصیب ٹھہری ہوں اس معاملے میں۔ پریشان ہو گئی ہوں تمہیں دیکھتی ہوں تو دل الگ فکر

مند ہوتا ہے خیر سے میرے مولا نے سہاگن کیا ہے اب تم اپنے سہاگ کے ساتھ ہی جچتی ہو۔ میں نے کہہ دیا ہے فرجاد سے کہ مجھ سے نہیں سنبھالی جاتیں تمہاری الجھنیں یا تو وہ تمہیں اپنے پاس بلا لے یا پھر خود واپس آ جائے۔ بس بہت ہو چکا۔" ان کے حتمی انداز نے اس کی دھڑکنیں منتشر کر دیں۔ بار حیا سے سر نہ اٹھ سکا منہ نیچا کیے انگلیاں مروڑتی رہی۔

اور اس کمرے کی تو حالت ہی بدل گئی تھی' چمکتا آف وائٹ پینٹ نئے لش پش میرون پردے' میرون کارپٹ نئے صوفہ کور' بیڈ شیٹ خوبصورت ڈیکوریشن پیسز سب کچھ ہی نیا اور دلفریب تھا۔

"کیسا لگا اپنا کمرہ۔" زارا پوچھ رہی تھی۔

"بہت اچھا۔" اس نے دل سے سراہا۔

"بھائی کا سخت آرڈر آیا تھا کہ میری دلہن کی واپسی سے پہلے پہلے میرے کمرے کو دلہن کی طرح سجاؤ' یہ دونوں کلر بھائی کے فیورٹ ہیں ہم نے ان کی پسند سے کمرہ سیٹ کر دیا اب خیال آ رہا ہے آپ کا فیورٹ کلر پوچھ لیتے تو اچھا تھا۔" حمزہ کو افسوس ہو رہا تھا۔

"نہیں یہ بھی بہت اچھا لگ رہا ہے۔ تھینک یو۔" اس کی بات سے دونوں خوش ہو گئیں۔

"اور ہاں بھابھی جی آپ کا ڈریس بھی بالکل ریڈی ہے شام کو تیار ہو جایئے گا امی نے آپ کو بتایا' ارباز بھائی نے ان سے سوری کر لی ہے اور آج رات اس خوشی اور خاص آپ کے لیے وہ ہم سب کو اپنے گھر ڈنر کی دعوت دے کر گئے ہیں۔" یہ ایک نئی اور اچھی خبر سنائی تھی حمزہ نے۔ اسے بھی خوشی ہوئی۔

"کب صلح ہوئی ارباز بھائی سے؟"

"کل آئے تھے ابو اور امی سے بڑی معافیاں مانگ رہے تھے دراصل منذر اور عتبہ امی سے بہت مانوس ہیں ان کے بغیر وہ دونوں ہی بیمار رہنے لگے ہیں ہم سب کی بھی ان دونوں میں جان ہے ہم تو خود اداس ہو گئے ہیں۔ بھابھی تو بہت مصروف شخصیت ہیں ان کے پاس تو بچوں کے لیے ٹائم ہی نہیں ہوتا آیا کے وہ قابو نہیں آتے۔ بھائی تو کہہ رہے تھے کہ ہم سب ان کے گھر واپس چلیں لیکن امی نے منع کر دیا یہ گھر چاہے ابھی انڈر کنسٹرکشن ہے لیکن ہم ایڈجسٹ کر چکے ہیں اور ویسے بھی فرجاد بھائی تو بالکل پسند نہ کریں کہ ان کی مسز وہاں رہیں۔ جاذبہ بھابھی سے تو ان کی کبھی نہیں بنتی تھی اس لیے امی نے سہولت سے معذرت کر لی ہاں اب یہ ہے کہ ارباز بھائی بچوں کو ہر شام ہمارے پاس بھیج دیا کریں گے۔" حمزہ نے تفصیل بتائی۔

"چلو اچھی بات ہے گھر میں بھی رونق ہو جایا کرے گی۔ اب تو عتبہ بھی چلتا اور بولتا ہو گا اسے روحیل بھائی کی شادی پر دیکھا تھا۔" وہ گل گوتھنا سا بچہ یاد آ گیا وہ دونوں ان کی شرارتوں کے قصے سنانے لگیں۔

اور بہت عرصے بعد اس نے ارباز کو دیکھا تھا۔ وہ لمبا اور سوکھا سا ارباز جو اس کے حافظے میں تھا اس سے یکسر مختلف۔

چھ فٹ سے نکلتے قد اور شاندار صحت کے ساتھ قیمتی سوٹ میں ملبوس نہایت باوقار شخصیت۔ بات بات پر ہنستا مسکراتا' بے فکر خوش باش سادہ اپنی زندگی سے کتنا مطمئن نظر آ رہا تھا۔ ویل ڈیکوریٹڈ خوبصورت گھر' حسین بیوی' صحت مند خوبصورت بچے' دولت کی فراوانی' آسودگی کوئی کمی نہ تھی وہ اس سے بہت خوش خلقی سے ملا۔ شادی کی مبارک باد دی۔ احوال پرسی کی وہ جھینپی جھینپی سی جواب دیتی گئی۔

"فرجاد سو لکی اسے تم جیسی پیاری بیوی ملی ہے اور وہ کتنا بے وقوف ہے تمہیں یہاں چھوڑ کر خود اکیلا باہر چلا گیا ہے اور میں تمہیں بتاؤں کہ میرا بھائی تھوڑا سا بدھو اور بہت زیادہ جوشیلا اور جذباتی ہے۔ تم نے اسے جانے کیوں دیا' جتنی جلدی ہو سکے اسے واپس بلواؤ' ارے بھئی تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ وہاں کیسی کیسی بلائیں ہوتی ہیں جن کا سایہ وہاں گئے اکیلے خوبصورت نوجوانوں پر پڑ جائے تو پھر وہ آسانی سے جان نہیں چھوڑتیں۔ پھر نہ کوئی دم نہ جھاڑ پھونک سب بے اثر ہو جاتے ہیں اتنی ہی آفتیں ہیں وہاں تو۔" وہ جانے مذاق کر رہے تھے یا اسے ڈرا رہے تھے وہ ان کے چہرہ دیکھے گئی وہ ہنس دیے۔

"سمجھیں نہیں ہو میری بات۔" اور سمجھ تو وہ خوب گئی تھی مسکرا کر بولی۔

"ہو جائے سایہ مجھے پروا نہیں۔"

"نہیں سچ۔ واہ پہلی بار اتنی دیالو بیوی دیکھ رہا ہوں جسے شوہر پر اتنا اعتبار ہے ایک ہماری زوجہ محترمہ ہیں کچھ نہ بھی کرو پھر بھی اکثر جھاڑ پھونک کرتی ہیں۔ ہک ہاہ۔" ارباز نے اک مصنوعی آہ کے ساتھ کن انکھیوں سے بیوی کو بھی دیکھا جو انہیں ہی گھور رہی تھیں۔

"ہاں تو ٹھیک ہے نا۔ شوہروں کی خصلت ہی ایسی ہوتی ہے ذرا کھلا چھوڑ دو تو فوراً "ادھر ادھر گھاس چرنے لگتے ہیں۔"

"آئے ہائے کیسی باتیں کرنے لگے ہو تم لوگ۔ میرا افرجاد ایسا نہیں، بہت ہی نیک اور سلجھا ہوا بچہ ہے، وہ بھلا کیوں آنے لگا کسی کے چکر میں اور اسے ضرورت بھی کیا ہے اللہ خیر کرے اس کی بیوی اتنی خوبصورت ہے۔" انہوں نے پیار بھری نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

"کوئی پتا نہیں لگتا ماں جی کیا میں آپ کا بہت نیک اور سلجھا ہوا بچہ نہیں تھا' میں بھی تو شہر میں آتے ہی آگیا تھا نا کسی کی۔۔۔" ارباز نے مسکرا کر بیوی کو دیکھا اور بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ہاں۔ ہاں کہو جو کہہ رہے ہو رک کیوں گئے کہہ دو میں نے تمہیں اپنے چکر میں پھنسایا تھا حالانکہ تمہاری منگیتر بھی بہت خوبصورت تھی۔" جاذبہ چمک کر بولیں اک نظر کو تو ٹیبل پر سناٹا چھا گیا جس کو اگلے ہی پل ارباز کے مسکراہٹ سے پُر جواب نے توڑا۔

"بے شک۔ یہ بات تو سچ ہے لیکن خیر تم بھی کسی سے کم نہیں اور پھر وہ کیا مشہور زمانہ مثل ہے کہ دل آیا۔۔۔" اور اگلے ہی پل احساس ہوا کہ کیا کہنے جا رہے ہیں تو زبان دانتوں تلے دبالی لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ جاذبہ پیر پٹخ کر اٹھیں اور واک آؤٹ کر گئیں۔ لاجورد حیران پریشان سی دیکھ رہی تھی' پھوپھو منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھیں۔ حمرہ' زارا پورے دھیان سے اپنی پلیٹوں پر جھکی تھیں گویا ایسے مناظر کی عادی رہ چکی ہوں۔

"ارے تمہیں کیا ہوا۔ رک کیوں گئیں کھانا پسند نہیں آیا ہے۔ یہ شوارمہ تو تم نے چکھا ہی نہیں۔ ارے بھئی تم تو کچھ کھا ہی نہیں رہیں چلو لو۔" ارباز اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مہمان نوازی کا بھرپور ثبوت دیتے ہوئے اس کے نہ نہ کی پروا نہ کی اچھا خاصا کھلا کر دم لیا۔

"جاذبہ کی کسی بات پر دھیان مت دینا وہ تھوڑی سی کھسکی ہوئی عورت ہے۔" وقت رخصت وہ کہہ رہے تھے لاجورد کھسں سرہلا کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہی پہلی سی صبح شام تھی وہی رات دن کا چکر اور وہی اس کی ذات بے قرار۔ فرصت کے لمحے بہت بھاری ہوتے وہ خود کو مصروف رکھنے کی سعی میں ہلکان ہوتی رہتی کبھی کچھ تیار کرنے کی خاطر کچن میں جا گھستی مختلف ڈشز پر طبع آزمائی ہوتی کبھی کسی کونے کی صفائی ستھرائی تو کبھی کوئی شغل' اب تو اجاڑ صحن بھی اس کے شوق کے باعث ہرا بھرا ہونے لگا تھا اک دن پھوپھا جی سے کہہ کر نرسری سے کئی قسم کے پودے منگوا لیے تھے جس کی صبح شام دیکھ بھال بھی ذمے لے لی۔

"حمرہ کالج جاتی' زارا ایوننگ ٹائم میں کمپیوٹر کورس کر رہی تھی۔ پھوپھو نے اسے بھی اجازت دے دی مزید پڑھنا چاہتی ہے تو کتابیں منگوا لو۔"

"ہائے یونیورسٹی میں ریگولر ایڈمیشن لے لیں' ٹف شیڈول ہو گا بھائی کی یاد بھی نہیں ستائے گی۔" حمرہ اسے چھیڑ رہی تھی وہ اسے گھور کر رہ گئی ریگولر کا تو ارادہ نہ تھا پرائیویٹ ایگزام دینے کا سوچ رہی تھی اور ابھی تک تو یہ بھی طے نہ ہو پایا تھا کہ کس مضمون میں ماسٹرز کرے پھر اس نے رزلٹ آنے تک فیصلہ موخر کر دیا اور ہنوز اپنے روٹین ورک میں مصروف رہی۔

ہر شام ارباز کے بچے بھی آجاتے۔ لاڈلے شرارتی نٹ کھٹ بچے اسے خوب ہی تگنی کا ناچ نچاتے کھانے پینے میں سو نخرے ہوتے نت نئی فرمائشیں بچے اس

سے مانوس بھی بہت ہو گئے تھے عتبہ تو ابھی چھوٹا تھا۔ منذر اسکول جاتا تھا اکثر ویک اینڈ پر وہ اس کے پاس ہی رہ جاتے۔ ارباز تو اس کے بہت ممنون تھے۔ بچوں کی ماں کے پاس تو ان کے لیے ٹائم ہی نہ تھا ایک تو جاب اوپر سے آئے دن کی پارٹیز اور میٹنگز ہی ان کی جان نہ چھوڑتیں۔ ارباز کو سخت چڑ تھی بیوی کی اس روش سے مگر کچھ کر نہ سکتے تھے سوائے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ بچوں کی فکر تھی تو اب اس سے بھی مطمئن ہو چکے تھے کہ یقیناً" دادی اور چاچی کی تربیت سے بچے بگڑیں گے تو نہیں۔

اور اس کے لگائے پودوں پر کلیاں لگ رہی تھیں پھول کھلنے کو تھے۔ تاجور اور امی کا فون تو آتا ہی رہتا تھا خیر خیریت پتا چلتی رہتی۔ ابا جی بیمار رہے دوسرے تاجور کی حالت امی تو گھن چکر بنی رہیں اس لیے اس کی طرف سے بھی غفلت ہوتی رہی چاہتے ہوئے بھی اسے لینے نہ آسکیں نہ ہی وہ گاؤں جانے کی پھر ہمت کر سکی۔ ابا جی کا سامنا اور باقی سب کے سوالوں کے جواب دینا بڑا ہی مشکل کام تھا۔ چھپنے میں ہی عافیت تھی وہ سب کچھ بھلائے بہادر بنی رہی۔ مگر اب وہ بہت خوش خوش گاؤں جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ بات ہی ایسی تھی بہت میٹھی سی خوشی اچھوتا سا احساس صبح آنکھ کھلتے ہی خوشخبری ملی تھی کہ وہ پیارے سے منے کی خالہ بن چکی ہے' امی نے کہا۔

"میں نے ثنا سے بات کر لی ہے' میں اور تمہارے ابا تمہیں لینے ۔۔۔ نہیں آسکتے۔ اشعر کو بھیج رہی ہوں' تم آجاؤ۔"

"سچ امی۔" وہ ہوا سے بھی ہلکی ہو گئی اس کے اپنوں کو بھی اس کا خیال آیا دل سے ایک پہاڑ سر کا تھا یہ منا تو بہت مبارک ثابت ہوا اک بند راستہ کھلا تھا۔ یا اللہ شکر ہے تیرا۔" پھوپھو نے نیلے نیلے کئی نوٹ ہاتھ میں تھما دیے۔

"میرا تو خیال تھا کہ بھائی اور بھابھی ہی تمہیں لینے آتے چلو خیر اللہ نے یہ خوشی کا وقت انہیں دکھایا وہ ادھر مصروف ہیں تم یہ رکھو تاجور اور منے کو دے دینا اپنی طرف سے شاپنگ کا تو ٹائم نہیں ہاں میں کل آؤں گی آج بازار جا کر کپڑے اور کھلونے لے لوں گی منے کے لیے۔ ٹھیک ہے نا۔" وہ کہہ رہی تھیں مارے شکر کے اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"پہلی بار میکے جا رہی ہے میری بیٹی خیر سے جاؤ۔ خوش رہو۔" انہوں نے ماتھا چوم لیا۔ اشعر کے آنے تک وہ تیاری مکمل کر چکی تھی بہت سے دن رہنے کا ارادہ تھا سب نے خوشی خوشی رخصت کیا۔

☼ ☼ ☼

ننھے منے سے ہاتھ پاؤں' گلابی رنگت' نہایت ملائم خوبصورت گول سا چہرہ منا تو بہت ہی پیارا تھا وہ خوب بھینچ بھینچ کر پیار کر رہی تھی۔

تاجور کا چہرہ گو کہ زرد تھا مگر اک الگ ہی رنگ اس کی آنکھوں سے چھلک رہا تھا فخر کا' خوشی کا' ماتا کا' وہ اس روپ میں کس قدر حسین لگ رہی تھی۔ اللہ نے اپنی نعمت سے نوازا تھا اسے تو ہر دکھ بھول گیا تھا۔ چہار جانب خوشی تھی۔

وہ ابا جی سے ملی کتنے مہینوں بعد انہیں دیکھا تھا بہت کمزور لگ رہے تھے سر کے بال بھی پہلے سے زیادہ سفید ہو گئے تھے' اک نظر کے بعد انہیں دیکھ ہی نہ سکی۔ دل دکھ سے بھر گیا تھا وہ لمحہ یاد آیا جب ان کی دعا اور شفقت کے بغیر اس گھر سے جانا پڑا تھا اور اس سے پہلی "وجہ" جس کے باعث وہ ان کی نظروں میں گناہگار ٹھہری تھی وہ کن الفاظ میں اپنے ناکردہ گناہ کی معافی مانگتی۔ احساس شرمندگی نے لبوں پر بھاری قفل ڈال دیا تھا انہوں نے چپ چاپ اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا حال پوچھا نہ کوئی اور بات یونہی اسے دیکھے بنا وہ آگے بڑھ گئے اور ان کی گہری چپ نے اس کے قفل لگے ہونٹوں پر ضرب لگائی تھی۔

"ابا جی۔" اس نے پیچھے سے پکارا۔ تاجور نے ہاتھ پکڑ لیا۔

"کوئی بھی بات ایکدم سے نہیں بھلائی جاتی آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ٹینشن مت لو اب آگئی

ہوتا۔ آنکھوں کے سامنے رہو گی تو اباجی کا غصہ بھی اتر ہی جائے گا پھر کوئی موقع دیکھ کر انہیں منالینا دراصل فرجاد کی کرنی تمہیں بھرنی پڑ رہی ہے چلو کوئی بات نہیں برداشت کر لو۔ اس میں اور تم میں کوئی فرق تو نہیں نا۔"

اور وہ کیا کیا برداشت کرتی۔ فرجاد پر تو اسے بھی بہت غصہ تھا اور وہ خود جا بیٹھا تھا بزدل کم ہمت فضول انسان وہ تا دیر بڑبڑاتی رہی اس کا کیا اسے کہاں کہاں بھگتنا پڑ رہا تھا عورتوں کے سوال جواب نے اسے اور پریشان کر دیا تھا۔

آدھی ادھوری خوشیاں ہی کیوں تھیں ان کے لیے وہ بھی خود کو چاہے کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ظاہر کرتی کسی کے سامنے اپنے دکھ نہ کہتی بے فکری کا تاثر دیتی رہتی کتنے مہینے ہو گئے تھے اسے سب کے سامنے ناٹک کرتے ہوئے اور اکیلے میں اس کا دل ہی جانتا تھا کہ کتنے درد کے صحرا پاٹنے پڑتے سجاد جیسا بھی تھا تو آخر اس کا شوہر پھر اب سب سے بڑھ کر اس کے بچے کا باپ بچے کے گود میں آنے سے پہلے وہ سوچتی تھی۔ سجاد نہ بھی پلٹ کر آیا تو میں اپنے بچے کے سہارے زندگی گزار لوں گی مگر اب کتنا مشکل لگ رہا تھا کیا وہ اپنے ہاتھوں اپنے بچے کو کم نصیب کر لے اس بچے کا بھی حق ہے کہ وہ اپنے باپ کے سائے اور شفقت میں پروان چڑھے اب سوچ لیا تھا وہ آیا تو اس سے کچھ نہیں کہنا اپنے بچے کے صدقے اس کی ہر خطا معاف کر دوں گی اس کا رواں رواں منتظر تھا۔

ہر ہر کھٹکے پر وہ چونک پڑتی نظریں یونہی پلٹ پلٹ کر دہلیز کو چھو آتیں مگر بے سود کتنی بڑی خوشی رب نے دی تھی اس کی تپسیا کا خوبصورت انعام اس کا پیارا بیٹا جسے دیکھ دیکھ کر وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتی نہ تھک رہی تھی۔ سر تا پیر آسودہ ہو جاتی مگر کہیں اک کسک کیا اس بے پروا کے دل کو خوشی نے نہیں چھوا اتنی اکڑ اتنا ظلم مجھے اتنے عرصے میں نہیں پوچھا تو کیا اپنی اولاد سے بھی بے خبر رہے گا کیا کوئی باپ ایسا بھی ہوتا ہو گا کیا اسے علم نہ ہوا ہو گا؟ وہ چھپ چھپ کر آنسو پونچھتی

——اپنا دکھ تو تھا ہی کلسانے کو اب اس کی نامکمل خوشیاں جان کا آزار لگ رہی تھیں۔

"یا اللہ کب ختم ہو گی ہماری سزا۔ یا میرے مالک۔ رحم کر دے۔ معاف کر دے۔ بخش دے ہمیں۔" بے اختیار وہ دعاگو ہوئی۔

☼ ☼ ☼

منا سات دن کا ہو گیا اس کے سسرال میں سے کوئی آیا نہ سجاد نے خبر لی فکر تو سب کو ہی تھی اور خصوصاً گھر والوں سے زیادہ باہر والوں کو جن کی دلچسپی ایک اسی بات میں تھی ہر آنے والی مبارک باد دینے کے بعد سجاد کی بابت ضرور دریافت کرتی پھر اس کی بے حسی پر اظہار افسوس تاجور ہر ایک کو جواب دے دے کر تھک گئی۔

آج منے کا عقیقہ بھی تھا۔ تمام انتظامات ہو رہے تھے تقریباً سب ہی کسی نہ کسی کام میں مصروف تھے۔ خوب گہما گہمی تھی وہ خوش بھی تھی تو دل اندر سے اداس بھی تھا۔ منے کو سلا کر وہ بھی کمر سیدھی کرنے کو کچھ دیر کے لیے لیٹی ہی تھی کہ دھاڑ سے دروازہ کھول کر شکیلہ افتاں و خیزاں اندر آئی۔

"تاج باجی۔ تاج باجی۔" اس کی سانس پھول رہی تھی۔ رٹو طوطے کی طرح اس کا نام لیے گئی۔ تاجور نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔ آرام سے نہیں آیا جاتا ابھی بڑی مشکل سے منے کو سلایا ہے میں نے۔" وہ جلدی جلدی بچے کو تھپکنے لگی جو اس اچانک شور سے پورا ہل گیا تھا۔

"اوہ۔ مینوں خیال نہیں رہا کیا کروں گل ہی ایسی ہے۔ مینوں تے لاج باجی نے بھیجا تھا ثمن باجی سے چاول صاف کرنے کے لیے چھج لانے جب میں ادھر گئی تو سجاد باؤ کی گڈی اگے کھڑی تھی وہ ادھر فرحان چاچا کی طرف آئے ہوئے ہیں رفو چاچی سے ان کی بڑی زور دار لڑائی ہو رہی ہے میں اپنے کانوں سے سن کر آ رہی ہوں ہائے اللہ چچی اتنا بول رہے ہیں وہ کہ توبہ آج پہلی

واری میں نے کسی لڑائی میں رفعت چاچی کی من من کرتی آواز سنی ہے سجاد باؤ ہی بولے جا رہے ہیں۔" خبر تھی کہ دھماکہ تاجور لیٹے سے اٹھ بیٹھی۔

"کک کیا کہہ رہی ہو۔" اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"سچی۔ باجی میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں تے ثمن باجی تک وی نہیں گئی۔ انہوں ای واپس دوڑ آئی ہوں۔"

"کک کیا کہہ رہے تھے سجاد کیا بول رہے ہیں۔" اسے فکر پڑ گئی اتنے مہینوں بعد اس کے ادھر آنے کی خبر ملی بھی تو کس انداز سے۔

"پتا نہیں۔ میرے تو کچھ پلے نہیں پڑا۔ میں تے بس پٹھے (الٹے) پیری آپ بتانے دوڑی ہوں۔ میں بی بی جی کو بتاتی ہوں۔" وہ باہر کو لپکی ابھی یہ گرما گرم خبر سب ہی کو سنانی تھی تاجور اپنی جگہ گم سم ہو گئی۔

"یا اللہ یہ نئی افتاد' پتا نہیں کیا ہوا ہے۔" پریشانی ہاتھوں پیروں سے جان نکالنے لگی اب تک تو بڑی بہادری کا مظاہرہ کرتی آئی تھی جیسا رویہ سجاد نے اس کے ساتھ برتا تھا ویسا ہی جواب اس نے بھی دیا تھا مگر اب اس کے سامنے کا سوچ کر ہی روح کانپنے لگی تھی اور ابھی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ شکیلہ پھر دوڑتی آئی۔

"تاج باجی۔ سجاد باؤ ادھر ہی آ رہے ہیں آپ کے پاس۔ بی بی جی سے سلام لے رہے ہیں۔" بریکنگ نیوز دے کر وہ پھر چھپاک سے باہر تھی۔ تاجور ساکت سی منہ اٹھائے دروازے کی طرف دیکھے گئی۔

اور کتنے مہینوں بعد اسے دیکھا تھا وہی رعب و دبدبہ وہی اکڑ و انداز آنکھوں میں خشونت' چہرے پر رعونت لیے نظر انداز کرتا وہ سیدھا بچے کی جانب آیا—— ننھے منے معصوم وجود پر نظر پڑتے ہی تاجور نے پھر دیکھا کہ اس کے چہرے کے سخت تاثرات یکلخت نرمی میں تبدیل ہو گئے کرختگی کی جگہ شفقت نے لے لی انگشت شہادت سے بچے کے نرم نرم گالوں کو چھوا پھر بے اختیار وہ مسکراتے ہونٹوں سے بیٹے کے ماتھے کا بوسہ لے رہا تھا نہایت احتیاط سے اسے اٹھا کر سینے سے

لپٹا لیا اس کی آنکھیں بچے کے اک اک نقش کو چوم رہی تھیں کبھی وہ اسے بازوؤں میں بھینچ لیتا کبھی اس کے چہرے پر مہر محبت ثبت کرتا حتیٰ کہ بچے نے کسمسانا شروع کر دیا۔

"اوئے۔ اوئے میرا بچہ میری جان اپنے بابا کے پاس روتے ہو نہ نہ میرا اتنا پیارا بیٹا کیوں روئے چلو میرے ساتھ اب ہم یہاں ایک منٹ نہیں رہیں گے میں اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر جاؤں گا چلو گے نا میرے ساتھ۔" وہ بچے کو پچکار رہا تھا تاجور کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے اٹک گیا یہ کیا کہہ رہا تھا وہ اٹھ کر چیل کی طرح بچے کو اس سے لینے کے لیے جھپٹی سجاد نے ایک ہاتھ سے بچہ سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے اس کا بازو دبوچ لیا۔

"الو کی پٹھی جاہل عورت اتنی بڑی بات تم نے مجھ سے چھپا کر رکھی اتنی بڑی بات' شرم نہ آئی تمہیں جانتی نہیں مجھے بچوں کا کتنا ارمان ہے کتنی خواہش ہے خود یہاں اکیلے اکیلے ساری خوشیاں منا رہی ہو اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ دیکھ لوں گا میں تم سمیت سب کو۔ ایک وہ رفعت سارے جہان کی رپورٹیں دیتی ہے مجھے ایک یہ خبر نہ دی گئی اس کو تو نبیڑ کے آیا ہوں ساری عمر یاد رکھے گی ارے اب یہی اوقات رہ گئی ہے میری کہ میری اولاد کی خبر مجھے راہ چلتی دائیوں سے ملے میں تو پندرہ دن سے مری گیا ہوا تھا واپسی پر محمود کو اس کے پنڈ اتار کر آ رہا تھا کہ راستے میں دائی رحمتے نے روک کر مٹھائی مانگی۔ میں تو حیران ہی رہ گیا ساری دنیا کو پتا ہے کہ میں باپ بن گیا ہوں اک مجھے ہی نہیں پتا اوئے سجاد حسین ورک کے ساتھ ایسا دھوکا اس دلیری اور اس جرات کی سزا یہ ہونی چاہیے کہ تم اس بچے کی شکل کو ترسو۔" وہ انگارے چبا رہا تھا تاجور تڑپ اٹھی۔

"ادھر دیں مجھے یہ بچہ یہ میرا بیٹا ہے آپ تو مجھے یہاں چھوڑ گئے تھے تو پھر میں کیوں بتاتی آپ کو آپ نے پھر کون سا تعلق رکھا مجھ سے۔"

"چھوڑ گیا تھا کاغذ نہیں پکڑا گیا تھا کہ تم نے تعلق ختم سمجھا۔ تم تو چاہتی ہی یہی ہو کہ مجھ سے تمہاری

جان چھوٹے لیکن سن لو میں تمہیں مار تو سکتا ہوں چھوڑ نہیں سکتا۔"

"اف۔" بے دردی کی انتہا تھی تاجور نے زور سے آنکھیں میچ کر آنسوؤں کے ابلتے ریلے کو روکا یہ شخص نہیں سدھر سکتا جانے کس زعم میں مبتلا ہے پتا ہی نہ چلتا تھا کہ اس کے رویے و الفاظ کیسے دوسرے کی روح پر چرکے لگا گئے ہیں۔

"میں تو سمجھتا تھا سدھر جاؤ گی پر اتنے مہینوں کی دوری نے دماغ اور خراب کر دیا ہے۔ مجھ سے پنگا لیتی ہو جواب دیتی ہو مجھے۔" سجاد نے بازو کو جھٹکا دے کر اسے اپنے حصار میں کر لیا۔

خود کو چھڑانے کی کوشش میں ناکام ہو کر بلک اٹھی ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو ئے گئی۔

"بس کرو یہ رونا دھونا زندہ سلامت تمہارے سامنے کھڑا ہوں مرا نہیں کہ تم رونے ڈال لو۔" وہ بے زار ہوا۔ وہ ان مردوں میں سے ہی نہیں تھا جو آنسوؤں سے متاثر ہو جائیں اسے خود سے الگ کر کے سامنے کیا تاجور نے بڑی ہی شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا کیسا عجیب انسان تھا وہ کوئی نرم جذبہ اس تک پہنچتا ہی نہ تھا وہ پل پل اس کی خیر مانگتی رہی تھی اور وہ کیا کہہ رہا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو میں کچھ غلط کہہ رہا ہوں کیا مجھے میری ہی اولاد سے بے خبر رکھ کر یہی ثبوت تو دیا ہے تم نے، مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی تاج بہت دکھی کیا ہے تم نے مجھے۔ میرا دل اب تک حیران ہے یقین ہی نہیں کر پا رہا یہ میرا بچہ ہے میرا بیٹا دیکھو اس کی ناک بالکل میرے جیسی ہے یہ دیکھ اس کے ہاتھ۔" وہ پھر سے بچے کو پیار کر رہا تھا وہ حیران ہوئی جتنے دکھ وہ اسے دے چکا تھا ان کا کوئی احساس نہیں تھا اسے اور اپنی کتنی پروا تھی اتنے مہینے اس نے اکیلے دکھ سہے درد کاٹے جن دنوں اس کی ضرورت تھی وہ پاس نہیں تھا اور اب آ گیا تھا حق جتانے کو۔ جس طرح وہ والہانہ بچے کو پیار کر رہا تھا اس پر دل خوشی سے معمور ہوا تو اس کی بے اعتنائیاں یاد کر کے غصہ بھی آیا اس نے جھپٹ کر بچے کو لیا جو بچی نیند سے بے داری پر اپنی ناگواری کا اظہار ہلکے سروں میں شروع کر چکا تھا۔

"آپ تو مجھے اپنی زندگی سے نکال چکے تھے اتنے دنوں میری کوئی خیر خبر نہیں لی مڑ کر دیکھا تک بھی نہیں کہ جیتی بھی ہوں یا مر گئی۔ مجھ سے تو آپ کو نفرت ہے اور میرے بچے سے اتنا پیار کر رہے ہیں۔" اس سے پہلے کبھی سجاد سے کوئی شکایت نہیں کر سکی تھی آج اتنی جرات اس چھوٹے سے وجود نے دی تھی جس نے اسے ماں بننے کا فخر عطا کیا تھا صرف ظاہراً" نہیں حقیقتاً" بھی وہ خود کو اندر سے مضبوط محسوس کر رہی تھی اس لیے بغیر جھجکے اس کے منہ پر کہہ گئی۔

سجاد بھی اک پل کو تو بحر حیرت میں ڈوب گیا وہ تو بالکل بدلی ہوئی لگ رہی تھی اس کی اک جھڑکی سے سہم جانے والی تاجور آج اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے شکوے پر شکوہ کر رہی تھی اگلے ہی پل وہ نچلا لب دانتوں تلے دبائے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ روک رہا تھا اور اس کے چہرے پر روشنی کی مانند پھیلتی مسکان تاجور کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ نہیں رہی تھی۔

"اوہ تو اس کا مطلب ہے اس بچے کو پیار کرنے سے پہلے تمہیں پیار کرنا پڑے گا چلو خیر سودا کوئی اتنا مہنگا بھی نہیں مجھے منظور ہے۔ ادھر آؤ۔" وہ فوری عمل پر بھی تیار تھا تاجور گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"اب بھاگتی کیوں ہو۔ خود ہی تو کہا ہے۔" وہ آگے آیا۔

"مم میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اسے تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ گود میں روتا ہوا بچہ اوپر سے موڈ بدلے شرارت پر آمادہ شوہر موصوف۔ جس کے قریب آتے ہی اس نے روتا ہوا بچہ آگے کر دیا۔

"یہ یہ رو رہا ہے۔"

"مجھے بھی پتا ہے تمہارا بیٹا ہے نا چپ کرواؤ اسے۔"

"آ۔۔۔ آپ کروائیں نا آپ تو اسے لینے آئے تھے۔" وہ مزید بہادر بنی۔

"ہاں وہ تو آیا ہوں اور لے کر جاؤں گا آج اور ابھی۔" اس کا وہی دھونس بھرا انداز تھا تاجور دھک سے رہ گئی۔

"بہت ظالم ہیں آپ ذرا ترس نہیں آتا مجھ پر اتنے مہینے مجھ بے قصور کو اذیت دی ابھی بھی دل نہیں بھرا اتنی ہی بری لگتی ہوں تو اپنے ہاتھوں سے کیوں نہیں ایک ہی بار مار دیتے بار بار کیوں مارتے ہیں مجھے اسے لے جائیں گے تو میں کیسے رہوں گی اس کے بغیر مر جاؤں گی میں۔"

"تو مر جاؤ۔ اس کے باپ پر تو مری نہیں ہو اب تک، چلو اس پر ہی مر جاؤ ویسے میرا بیٹا بہت خوبصورت ہے بالکل میرے جیسا۔" وہ اس کی طرف سے لاپروا تھا بچے کو بڑے پیار سے دیکھا تاجور اس کی بات پر زچ ہو اٹھی۔

"پتا نہیں۔ آپ کا دل کب صاف ہو گا، میں کیا کروں ایسا کہ آپ کو میری محبت پر اعتبار آجائے مجھے تو لگتا ہے میں مر کر بھی آپ کے دل میں جگہ نہیں پا سکوں گی۔"

"دل میں جگہ پانے کے لیے مرنے کی نہیں زندہ رہنے کی ضرورت ہے بار بار مجھ سے مرنے کی بات نہ کرو ابھی میرا بیٹا بہت چھوٹا ہے اسے تم نے ہی پالنا ہے فی الحال میرا دوسری شادی کا بھی کوئی ارادہ نہیں پہلے اسے چپ کرواؤ پھر بتاتا ہوں میرا اعتبار کیسے جیت سکتی ہو۔" اس کی توجہ بچے کی طرف دلا کر خود وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم میرے بیٹے کی ماں ہو بولو کیا انعام چاہیے۔" اس کا انداز عجب شاہانہ تھا اس کی ناکردہ خطائیں تو معاف کر دی تھیں اپنی کوتاہیاں پھر بھی نہیں مانی تھیں اور جب وہ اتنی سخاوت کرنے ہی لگا تھا تو اس نے بھی دیر نہ کی فٹ سے بولی۔

"آپ کا دل۔" اور اس کی فرمائش پر سجاد خوب محظوظ ہوا۔

"تم پہلے سے ہی اتنی چالاک تھیں یا اب ہو گئی ہو۔ میرا دل ہی مانگ لیا۔ چلوں یوں کرتے ہیں ایک حصہ تمہارا باقی آتی جاتی حسیناؤں کا بھی تو حق ہے۔"

"جی نہیں۔ پورا دل۔" وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"اچھا۔ اچھا ناراض مت ہو میرا دل تو پہلے سے ہی تمہارا ہے اس وقت سے جب تم دسترس سے دور لگتی تھیں پھر جب قسمت کی یاوری سے تم میری ہوئیں تو یہ دل تم پر اعتبار کرنے سے ہچکچاتا تھا اس لیے تو ہر وقت تم پر غصہ آیا رہتا تھا لیکن آج سے میرا سارا اعتبار بھی تمہارا ہوا۔ بس تم جو وقت گزر گیا ہے اسے کبھی دوہرانا مت اور نہ ہی میں یاد کروں گا۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے وہ یہ کیا کہہ رہا تھا تاجور محو حیرت سی اسے دیکھے گئی اور اس کی اتنی حیرانی پر سجاد مسکرا دیا اس کا اعتبار کرنے میں اتنا وقت لگ گیا تھا تو اسے بھی یقین کرنے میں کچھ وقت تو لگنا ہی تھا مگر اتنا ایقان ضرور تھا کہ جھٹپٹے کی کیفیت ختم ہو چکی ہے اب ہر سو روشن اجالا ہے۔

"گھر چلیں۔ اب بالکل دل نہیں لگے گا تمہارے بنا۔"

"کچھ دن لگیں گے میں نے ابھی نہیں جانا۔" تھوڑے سے نخرے تو اس کا بھی حق تھے سو اٹھلا کر بولی۔

سجاد نے بھی اعتراض نہ کیا اسے بھی سمجھ آگئی تھی کہ اب اپنی آئندہ زندگی کو کیسے خوبصورت بنانا ہے۔

اس نے سوچ لیا تھا اتنے دنوں میں اپنا علیحدہ پورشن بنوانا ہے جو کہ تاجور کے لیے سرپرائزنگ گفٹ ہو گا اس لیے وہ ازحد مصروف ہو چکا تھا ہاں ہر شام کچھ دیر کے لیے وہ بیوی اور بیٹے کو دیکھنے ضرور آتا تاجور کے چہرے پر گلاب کھل رہے تھے لاجوردا اسے دیکھتی تو اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا کرتی۔

☼ ☼ ☼

منا سوا مہینے کا ہو گیا تھا کل سجاد نے تاجور کو لینے آنا تھا اس خوشی میں امی نے سب کی دعوت رکھ لی تھی رقیہ پھوپھو بھی آ رہی تھیں اور انہوں نے کہا تھا وہ بھی اپنی تیاری کر رکھے بہت دن رہ لیں اب اپنے گھر آؤ۔

اور اس نے سوچ لیا تھا میں کیوں وہاں جاؤں میرا وہاں کیا رکھا ہے میں کیوں اس سے جڑے رشتوں کی خاطر داریاں کرتی پھروں۔ میرا کیا لینا دینا مجھے کیا حاصل۔ اس نے پختہ ارادہ باندھا اور بھلا پہلے کب اس کی سوچیں پوری ہو ئی تھیں پھوپھو کے ساتھ حمرہ اور زارا بھی آئی تھیں اور انہوں نے اس کی ایک نہ چلنے دی کوئی بہانہ کارگر نہ ہوا انہوں نے خود اس کی پیکنگ کر ڈالی انہوں نے ثمن کو بھی دعوت دی تھی ساتھ چلنے کی اور نا چاہتے ہوئے اسے بھی آنا پڑا تھا واپس اسی گھر میں اسی کمرے میں جس سے جڑی یادیں اذیت ہی دیتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہ بہت تھک چکی تھی اک پرسکون نیند لینا چاہتی تھی مگر بھلا ہو ان تینوں کا جو پہلے ایکشن مووی دیکھتی رہی تھیں اور اب سیل پر ثمن کے منگیتر سے گپیں لڑائی جارہی تھیں۔ وقفے وقفے سے اسے بھی شامل گفتگو کرنے کی کوشش ہو رہی تھی وہ بے زار ہو کر لحاف میں منہ چھپا گئی۔

"جیلس لوگ۔" ثمن کے جملہ نے اسے سرتاپیر سلگا دیا لحاف پرے کر کے اسے اک زوردار دھمو کا جڑا۔

"اف۔" ثمن نے دہائی دی اور اس کی آہ اگلی جانب بھی پہنچی تھی وہاں سے حال پوچھے جانے پر وہ اپنی مظلومیت کی داستان شروع کر چکی تھی لاجورد اس کی بے تکی بکواس سے اکتا کر کمرے سے ہی نکل آئی۔

"اوف۔" گرم کمرے کے باہر ہلکی ٹھنڈک تھی پہلے قدم پر ہی سارے جسم میں پھریری سی دوڑ گئی مگر دل کو اچھا لگا شال کو اپنے گرد لپیٹے وہ کھلے صحن تک چلی آئی ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ دھند ہی دھند دور لمبے اونچے درخت کتنے پراسرار لگ رہے تھے جیسے جنوں کے سائے۔ آسمان سیاہ اور دور دھند کے مرغولوں کے پیچھے آدھا چاند جس کے گرد بنے اجالے کے دائرے اندھیرے کو منہ چڑاتے محسوس ہو رہے تھے ٹپ ٹپ کی آوازیں جیسے کوئی ہلکے قدموں سے چل رہا ہو اک لحظ کو تو وہ ڈر ہی گئی مگر اگلے ہی پل سر جھٹک دیا یہ اوس کے گرنے کی مخصوص آواز تھی جو ان راتوں میں یونہی ڈرایا کرتی۔

گہری رات، برف زار ہوائیں آدھا چاند اور ایک کپ کافی ہائے کتنا مزا آئے بے اختیار اس کا دل مچل اٹھا۔

ایسی راتیں تو اس کی پسندیدہ تھیں ایسی راتوں میں وہ اکثر سب سے چھپ کر اپنا چائے یا کافی کا مگ لے کر کھلے باغیچے میں پہنچ جایا کرتی۔ ٹھنڈے ٹھار بینچ پر بیٹھ کر پھر سردی اور گرمی سے لطف اندوز ہونا کیا ہی اچھا اور بے فکری کا زمانہ تھا وہ بھی اگر پھر کوئی دیکھ لیتا تو ڈانٹ بھی خوب ہی پڑا کرتی تھی اس کی نیند اڑ چھو ہو گئی دل پر چھائی بے کلی زائل ہونے لگی کئی یادوں نے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی کچن کی جانب بڑھی ان تینوں پر بھی احسان کرنے کا ارادہ کیا دور کہیں گاڑی کی آواز آرہی تھی ہائے اتنی ٹھنڈ میں رات گئے کون سفر پر نکلا ہے اللہ خیر کرے بے ساختہ ان دیکھے مسافر کے لیے دل سے دعا نکلی۔

بے دھیانی میں اس کے کان گاڑی کی آواز پر ہی لگے رہے جو لگتا تھا قریب آتی جارہی ہے۔ کافی چھینٹنے ٹرے میں مگ پلیٹیں رکھنے تک اس کا شک یقین میں بدل چکا تھا گاڑی اب گیٹ کے پاس سے گزر رہی تھی بلکہ نہیں وہ تو رک گئی ہے۔ وہ حیران ہوئی جلدی سے کچن سے نکلی لاؤنج کی گرل پر پڑا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا انجن کی بے ہنگم گھرگھر فضا میں گونج رہی تھی ہیڈ لائٹس کی چکاچوند روشنی سیدھی گیٹ کی دریزوں سے اندر آتی دور تک اک روشن لکیر بناتی جارہی تھی۔

"کوئی مہمان اور اس وقت کون ہو سکتا ہے۔" قیاس کے گھوڑے دور تک دوڑتے چلے گئے گاڑی چل پڑی تھی۔ کچھ توقف سے بیل ہوئی۔

وہ کشمکش و پیچ میں پڑ گئی آیا گیٹ خود کھولنے جائے یا اندر سے ان تینوں کو بلا لے۔ رات کے اس پہر

لاشعوری طور پر اک خوف سا جاگا تھا۔ بیل پھر ہوئی تھی سناٹے کو چیرتی آواز دور تک گئی اور میکانکی انداز سے وہ آگے بڑھی۔

"کون۔" گیٹ تک پہنچ کر عادتاً" پوچھا چند لمحے تو خاموشی چھائی رہی پھر آواز آئی۔

"ارے بھئی اب گیٹ کھول بھی دو یا توڑ کر اندر آؤں۔"

"اوہ۔" یہ لہجہ یہ آواز یہ انداز دل کی دھڑکن گم ہوئی تھی جھپٹ کر دروازہ کھول دیا سامنے ہی وہ کھڑا تھا جسے دیکھ کر وہ ساکت ہو گئی قطعی غیر متوقع انتہائی اچانک شدید حیرت کا جھٹکا لگا تھا اسے اپنی بصارتوں پر اعتبار ہی نہ آیا ابھی تو دل نے اس کی چاہ کی تھی اور وہ تخیل سے نکل کر حقیقت میں چلا آیا تھا وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی۔

"فف۔ فرفرجاد۔" بڑی دقتوں سے لب کھلے۔

"اب اندر بھی آنے دو گی یا یہیں سے واپس چلا جاؤں۔" وہ ہمیشہ کی طرح جھنجلایا ہوا تھا وہ ہوش میں آتی ایکدم پرے ہوئی۔

"لاج کون ہے گیٹ پر۔" وہ تینوں غالباً" بیل کی آواز پر باہر آئی تھیں وہ سوٹ کیس گھسیٹتا اندر آرہا تھا اسے دیکھتے ہی تینوں کی تو چیخ ہی نکل گئی۔ اڑتی ہوئی اس تک پہنچیں۔

"فرجاد۔ فرجاد بھائی ہمیں یقین نہیں آرہا۔ اف اللہ یہ آپ ہی ہیں نا۔" زارا نے اس کا بازو تھاما۔

"نہیں میں اس کا بھوت ہوں۔" فرجاد نے اسے ڈرایا وہ واقعی گھبرا کر ثمن سے لپٹ گئی وہ ہنس رہا تھا۔

"اف بھائی۔ آپ یوں اچانک بغیر بتائے کم از کم اطلاع ہی کر دیتے۔" حمرہ بھی حیران تھی۔

"اطلاع کر دیتا تو پھر اتنی مزے کی شکلیں کیسے دیکھتا۔" اس نے لاجورد کے چہرے پر نظر ڈالی جو لگتا تھا ابھی بھی شاک میں تھی۔

"اور چلو میرے ساتھ پہلے یہ سامان اندر کرواؤں بہت سردی ہے بھئی میرے تو دانت کٹکٹا گئے ہیں حشر ہو گیا یہاں تک آتے آتے۔"

"ہاں۔ ہاں چلیں۔" وہ تینوں بڑھیں اس کا بھاری بھرکم سامان اندر کیا۔

"لگتا ہے بھاگ کر آگئے ہو سب ہی سامان اٹھا لائے ہو۔" ثمن بولی۔

"بس کچھ ایسا ہی ہے، مزا نہیں آرہا تھا کام کاج چھوڑ کر آگیا ہوں۔" وہ گیٹ بند کر رہا تھا۔

"مزا نہیں آرہا تھا یا دل نہیں لگا اپنی میز کے بغیر۔" وہ بھی ثمن تھی جو سچ بولتے کبھی نہ گھبراتی تھی۔ وہ مبہم سا مسکرا دیا تبصرے سے احتراز برتا۔

"میں امی اور ابو کو جگاتی ہوں ہائے کتنا خوش ہوں گے وہ بھائی کو دیکھ کر۔" زارا کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے اندر کو بھاگی حمرہ اور ثمن اس کا سوٹ کیس لے جارہی تھیں۔ دوسرا اس نے اٹھایا پھر اسے دیکھا۔ وہ لب بستہ بڑی محویت سے اسے ہی تک رہی تھی نگاہ ملتے ہی گڑبڑا کر چہرہ جھکا گئی لگتا تھا اس کا دل ابھی بھی یقین نہیں کر پایا دھڑکن ابھی بھی نارمل نہ ہوئی تھی دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھی تھیں وہ چہرہ جو کبھی گلاب کی مانند تھا فرجاد کو مرجھایا ہوا لگا آنکھوں کے گرد نمایاں حلقے اس کے رت جگوں کی کہانی سنا رہے تھے بے اختیار اسے خود پر افسوس ہوا کتنا پیار تھا اسے یہ چہرہ اور وہ اسے کیا کیا سوغاتیں دے گیا تھا۔

"لاج۔" اس نے یوں پکارا کہ لاجورد کی روح کھنچ کر مٹھی میں آگئی لرزیدہ پلکیں اٹھا کر دیکھا وہ ہاتھ بڑھائے ہوئے تھا۔

"ارے بھئی سردی کا شور مچا رہے تھے اب آبھی جاؤ اندر۔" ثمن بلا رہی تھی۔

"آجاؤ۔ سردی بہت ہے۔" وہ آگے بڑھ گیا ہتھیلی سے آنکھیں رگڑتی وہ بھی پیچھے ہولی۔

اور ایکدم سے سارا گھر کتنا روشن ہو گیا تھا اس کے آنے سے کتنی رونق ہو گئی تھی پھوپھو اور پھوپھا بھی اسے دیکھ کر انتہائی خوش ہوئے تھے ماں کو اس نے کمرے سے نکلنے ہی نہیں دیا تھا بلکہ خود بھی ان کے

بستر میں جا گھسا۔

"ہائے کتنے ٹھنڈے ہاتھ ہو رہے ہیں میرے بچے کے، حمرہ جاؤ بھائی کے لیے گرما گرم کافی بنا کر لاؤ۔" پھوپھو کو اس کی فکر لاحق ہوئی۔

"بھابھی پہلے سے ہی بنا رہی ہیں بس ابھی لائیں۔" حمرہ اسے کچن میں جاتے دیکھ چکی تھی سو اطمینان سے بیٹھی رہی۔

"مجھے تو لگتا ہے فرجاد نے لاج کو اپنے آنے کا بتا دیا تھا۔" ثمن کو بھی شک گزرا کچن میں بکھرے مگ پلیٹیں وہ بھی دیکھ کر آئی تھی۔

"نہیں بھئی میں نے بالکل نہیں بتایا۔ میری آمد اس کے لیے بھی سرپرائزنگ ہے۔"

"پھر آپ کے آنے کی اطلاع بھابھی کے دل نے انہیں دے دی ہوگی۔" زارا نے راز کی بات ڈھونڈی سب ہی ہنس دیے۔ وہ ٹرالی دھکیلتی لے آئی تھی یونہی خوش گپیوں کے دوران کافی پی گئی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی فرجاد سب کی شوخیوں شرارتوں کے جواب دے رہا تھا پھوپھو نے ہی انہیں اٹھایا۔

"چلو لڑکیوں باقی باتیں صبح کر لینا۔ بھائی اتنا سفر کر کے آیا ہے۔ آرام کرنے دو اسے بھی۔ فرجاد تھک گئے ہوگے بیٹا تم بھی۔" لاجو رسب برتن سمیٹ کر کچن میں لے آئی جو سنک میں ڈالے ارادہ دھونے کا تھا پیچھے ہی ثمن آئی۔

"بے وقوف لڑکی یہ برتن ابھی دھونا فرض نہیں ہیں صبح دھل جائیں گے۔ تم چلو اپنے کمرے میں اتنی دور سے آیا ہے وہ کچھ خیال کر لو اور یہ تم رو کیوں رہی ہو۔" بولتے بولتے اس کے چہرے پر نظر پڑی رخسار بھیگے ہوئے تھے۔

"چپ پاگل رو تو مت شکر کرو خدا کا وہ سب چھوڑ آیا ہے صرف تمہاری خاطر اور سنو ہم سے تو جھوٹ پر جھوٹ بولتی رہی ہو اس سے ہر گز نہ بولنا ایک ایک سچ بتانا اسے اپنے دل کا ہر راز کھول دینا کسی بھی غلط فہمی کو اپنے درمیان مت رہنے دینا سمجھیں اور چلو اب۔" اسے کھینچتی ہوئی وہ اس کے کمرے تک لے آئی تھی۔

دروازہ کھلا تھا۔

"اب صبح ملاقات ہوگی بیسٹ آف لک۔" اسے اندر دھکیل کر شمن مسکراتی ہوئی پلٹ گئی وہ بوکھلا کر پھر نکلنے کو تھی کہ نائٹ گاؤن کی ڈوریاں کستا وہ واش روم سے نکلا اسے دیکھ کر مسکرایا وہ سر جھکا گئی۔ فرجاد نے دروازہ بند کیا پھر پلٹ کر اس تک آیا۔

"لاج۔" وہ پکار رہا تھا کتنی نرمی اور حلاوت تھی اس کی آواز میں۔ وہ سر جھکائے آنسو پینے میں مشغول تھی نظر اٹھائی وہ ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا اور کتنے ہزاروں شکوے اور شکایتیں تھیں اس سے کیا کیا نہ سوچا تھا کہ جب وہ آئے گا تو اس سے لڑوں گی یہ کہوں گی وہ کروں گی مگر اس کی ایک پکار نے ہی سارے گلوں کی روح کھینچ لی۔ اگلے ہی پل وہ اس کے سینے پر سر رکھے دھواں دھار رو رہی تھی۔

"بس چپ کرو۔ مت رو۔ میں آگیا ہوں نا تمہارے پاس، صرف تمہاری خاطر سب چھوڑ چھاڑ کر۔ تم ایک بار کہتیں میں نہ جاتا اور دیکھو تم نے بلایا میں آگیا مجھ سا شریف مشرقی لڑکا بھی کہیں ہوگا نکاح ہوا میں نے تمہیں ہاتھ نہ لگایا رخصتی ہوئی تم نے چھونے نہ دیا تم نے بھیجا میں چلا گیا تم نے بلایا میں آگیا دیکھ لو کتنا تابعدار ہوں تمہارا تم پھر بھی رو رہی ہو۔" وہ اس کے گرم آنسو اپنی ٹھنڈی پوروں پر چن رہا تھا وہ رونا بھول کر محو حیرت ہوئی۔

"میں نے کہا تھا تم سے جانے کو اور میں نے کب بلایا؟"

"ہاں جی۔ آپ ہی کی وجہ سے ملک بدر ہوا تھا میں نہ تم سجاد کی دھمکی سے ڈر کر بزدلی دکھاتیں نہ میں منتقم ہوتا مجھ پر ہی سارا الزام دھرنے کی بجائے غیر جانبداری سے سوچو تو اس میں برابر کی قصوروار تم بھی ہو میں مانتا ہوں اس وقت جوش جنون میں بے رحم ہو گیا تھا مگر تم نے بھی تو مجھے حقیقت نہ بتائی تھی۔"

"کیا۔ میں نے۔ میں تو چیختی رہی تھی منت کرتی رہی تھی تمہاری کہ میری بات سن لو صرف ایک بار مگر تم تو جیسے فرعون بن گئے تھے۔" وہ بری طرح چڑی فرجاد کو بھی یاد آیا اس کا بلکنا۔

"سوری یار۔ میں ایسا ہی جنونی ہو گیا تھا وحشی بنا دیا تھا تمہارے انکار نے۔ مجھے لگا تھا تم نے مجھے ریجیکٹ کیا ہے میری محبت کو ٹھوکر ماری ہے۔۔۔ میرے والدین کی سارے خاندان میں بے عزتی کی ہے اور بس میرے سر پر جنون سوار ہو گیا تھا میرا تو ارادہ نکاح کے بعد ہمیشہ کے لیے ملک چھوڑ دینے کا تھا۔

نو واپسی میں نے تو یہاں تک سوچا تھا کہ میں نکاح سے ہی مکر جاؤں گا اس لیے تو ایک۔۔۔ کاغذ کو نکاح نامہ کہہ کر جلا دیا تھا میں نے بہت اذیت ہوئی تھی مجھے اور میرا ایمان تھا تمہیں اس سے دوگنی اذیت دوں۔ تم ساری زندگی میرے نام کو روؤ اپنا کیا خود بھگتو۔ میں نکاح سے مکر جاتا مگر تم کیسے مکرتیں۔ خود سے یا اللہ سے۔"

"مگر یہ بھی سچ ہے کہ تمہیں اذیت دے کر میں خود بھی بہت تکلیف میں رہا اور جب حقیقت کھلی تو اپنے جنون پر شرمندگی ہوئی اور تم پر تو زیادہ غصہ آیا یہ سب تمہاری بے وقوفی کی وجہ سے ہوا اگر تم پہلے ہی تمام صورت حال مجھے بتا دیتیں تو میں یقیناً" اس شخص کی اکڑ کا بھی حل نکال لیتا کیونکہ میں تم سے دستبردار ہو جاتا یہ تو کسی صورت ممکن نہیں تھا تم صرف امی کی خواہش ہی نہیں میری شدید آرزو بھی بن چکی تھیں پھر بھلا میں کیسے پیچھے ہٹ سکتا تھا۔" فرجاد نے اس کا بھیگا چہرہ اوپر اٹھایا لاجورد کا دل دھڑک اٹھا وہ اس کے حصار میں تھی سٹپٹا کر نکلنا چاہا اس نے گھیرا اور تنگ کر دیا۔

"یہ تم کیا کرتی رہی ہو میرے ساتھ۔ ایک دن مجھے وہاں سکون سے ٹکنے نہیں دیا جان کو ہی آئی رہی ہو میری، سب کے سامنے رو رو کر برا بنواتی ہو مجھے کیا ثابت کرتی رہی ہو تم کہ تم بہت مظلوم ہو اور میں بہت ظالم، کبھی ماں جی صلواتیں سناتی رہی ہیں کبھی اچھی خالہ ناصح بن بیٹھیں کبھی زارا حمرہ میری اماں جان بن گئیں تو کبھی تاج آپا نے کان مروڑ دیے سب سے جھاڑیں پڑوا کر بہت خوش ہوتی رہی ہو۔ اتنی دور بیٹھ کر سب کی لعن طعن ہی سنتا رہا ہوں میں اتنی ہی اداس یہاں اتنی ہی یاد آتی تھی میری تو صاف مجھ سے کیوں نہیں کہا دوسروں سے کہتے شرم نہ آئی تمہیں۔۔۔ ہیں۔" وہ کڑے لہجے میں استفسار کر رہا تھا وہ تڑپ ہی تو گئی اس کا لہجہ اس کا انداز اس کی باتیں کیا اتنے مہینوں کی دوری کے بعد ملنے والوں کا یہ رویہ ہوتا ہوگا اس سے لڑنے کے ارادے تو وہ باندھتی رہی تھی یہ تو سوچا ہی نہ تھا کہ وہ آتے ہی دل پر پاؤں رکھ دے گا۔

"میں نے کب کسی سے کچھ کہا۔ میں تو کسی کے سامنے نہیں روئی۔" بے چارگی سے صفائی پیش کی۔

"ہاں اب تو یہی کہو گی چھپ چھپ کر میں روتا رہا ہوں نا ہر وقت اداسی کا لیبل چہرے پر چپکائے تو میں پھرتا تھا ادھر۔ فرجاد، فرجاد خوابوں میں، میں نے پکارا ہے، تمہاری تو راتوں کی نیندیں بھی نہیں اڑیں خوامخواہ خود کو مصروف رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تم نے۔ بولو اب جھوٹ میرے سامنے، مکر جاؤ ہر بات سے۔" جانے سب نے اس سے ہمدردی کن الفاظ میں اس تک پہنچائی تھی کہ وہ اتنا سیخ پا ہو رہا تھا اسے سب پر غصہ بھی آتا جنہوں نے اس سے محبت جتانے

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

قیمت۔۔۔ -/550 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37- اردو بازار، کراچی۔

کے چکر میں اسے برا بنوا دیا تھا۔

"تو کیا نہ روتی اپنی قسمت کو۔ تم تو جان بچا کر نکل گئے تھے بہت اچھا کر کے گئے تھے میرے ساتھ۔ خود تو وہاں موجیں اڑاتے رہے ہو جان تو میری پھنسی تھی یہاں۔ ہر کسی کے آگے جوابدہ تو میں تھی بری تو میں بنی۔ اباجی شدید ناراض رہے مجھ سے 'نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے بات تک نہیں کرتے مجھ سے۔ اوپر سے تمہاری بے اعتنائی تم نے کون سا پوچھا مجھے۔" وہ ایک بار پھر رو پڑی۔

"مجھے تم نے خود ہی تو منع کیا تھا' میں نے تو دور کر تم سے کوئی رابطہ نہ کیا کہ جانے تم کیا جواب دو۔ اگر تم کچھ الٹا سیدھا بول دیتیں تو میں تو اتنی دور اکیلا مر گیا تھا نا۔ تمہارے پاس یہاں سب اپنے تھے سوچو میں وہاں بالکل تنہا تھا کوئی اپنا نہیں جس کے کندھے پر سر رکھ کر رو سکتا تمہارے پاس تو آنسو پونچھنے والے بھی تھے جو تم سے محبت کا اظہار بھی کرتے رہے تمہارا خیال رکھتے رہے۔ میرے ساتھ وہاں کون تھا جو میرے آنسو پونچھتا میرے درد سنتا تم سے بڑھ کر اذیت کے دن کاٹے ہیں میں نے وطن سے دور' اپنوں سے دور تم سے دور اک کوہ گراں تھا جو پار کر کے آیا ہوں تم کیا جانو وہ دکھ جو میں نے بھوگے' جدائی' تنہائی' ملک بدری کتنے عذاب تھے کوئی پل تمہاری یاد سے خالی نہیں گزرا'

"خوش رہا کرو۔ اب میں آگیا ہوں نا۔ جب کہو گی ماما جی کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لوں گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ زیادہ دیر تک ناراض نہیں رہ سکیں گے۔ باقی سب بھی ٹھیک ہو جائے گا بس تم اپنا موڈ ٹھیک کرو تم مجھ سے ناراض نہ ہونا۔" وہ پیار بھری تاکید کر رہا تھا۔

"ہم صبح ہی گاؤں جائیں گے۔" سوں سوں کرتے اس نے فیصلہ سنایا۔

"جو حکم ہادام۔" وہ راضی بہ رضا تھا۔

"بہت برے ہو تم تم نے مجھے بہت ستایا ہے اب میں بھی تمہیں اتنا ہی تنگ کروں' دوپٹے سے چہرہ پونچھتے وہ اسے دھمکی دے رہی تھی۔

"اونہوں۔ پہلے ہی ہم دونوں زندگی کے خوبصورت اور قیمتی دن اپنی اپنی فضول اناؤں کی بھینٹ چڑھا چکے ہیں مزید کس بیکار کی ضد میں ایک لمحہ نہیں گنوانا بے شک ہماری شادی انوکھی تھی اب کیا کوئی شب زفاف بھی نرالی ہی اترے گی ہمارے لیے؟ وہ رات تو لڑ بھڑ کر گزار دی تھی اگر آج بھی لڑائی کا ارادہ ہے تو میں ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔ ادھر آؤ۔" وہ اسے یونہی حصار محبت میں لیے کھڑکی تک لے آیا پردہ ہٹا دیا۔

"وہ دیکھو۔ ذرا غور سے سنو' وہ چاند کیا کہہ رہا ہے ہر سو خوبصورت بکھری چاندنی کیا افسانے سنا رہی ہے کیسا ٹھنڈا اجالا ہے وہ کہری دھند سے چھپ دکھلاتے تارے کتنے سحر انگیز لگ رہے ہیں' میں نے ایسی کئی دلفریب راتیں تمہاری یاد میں بتائی ہیں ضرور تم نے بھی میرے فراق میں آنسو بہائے ہوں گے اور آج جبکہ قدرت مہربان ہے سب فاصلے مٹ گئے ہیں کوئی دوری درمیان نہیں مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں تو کیا پھر بھی تم دل میں کوئی شکوہ رکھو گی مجھ سے ناراض رہو گی۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے سارا سوال تھا اور اب بھلا وہ کسی گزری بات کو دل سے لگا کر کیوں رکھتی اس کی قسمت کا جو لکھا تھا اسے ملکر رہا تھا کہیں کوئی ملال تھے تو وہ بھی دھل جانے تھے وہ اس کا تھا اور اس کے پاس آگیا تھا وہ بالکل ہلکی پھلکی ہو گئی تھی اس کے دل میں اجالا ہی اجالا پھیل گیا تھا روح سے لپٹی تمام کثافت بہہ گئی تھی اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلا دیا۔

بھیگے چہرے پر روشنی جیسی مسکان دیکھ کر فرحاد کی روح تک شانت ہو گئی۔

☆ ☆